اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یہدی الیہ من ینیب

الحمد للہ علی احسانہ کہ درین زمان فرخی اقتران کتاب مستطاب مستفید العرفان یعنی نسخہ

نور الایقان

ترجمہ اردو

تکمیل الایمان

باہتمام احقر الانام محمد عبد العلیم ابن مولانا مولوی محمد عبد الاحد صاحب مرحوم بماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۷ھ

مطبع مجتبائی واقع دہلی مطبوع شد

ملنے کا پتہ: مطبع مجتبائی پاکستان، ۱۵- ہسپتال روڈ- لاہور

Marfat.com

[illegible]

الحمد للہ علی احسانہ کہ در زمان فرخی اقتران کتاب مستطاب مسمٰی العرفان اعنی نسخہ

نور الایمان

ترجمہ اردو

تکمیل الایمان

باہتمام احقر الانام محمد عبد العلیم ابن الامام مولوی محمد عبد الصمد صاحب مرحوم ماہ رمضان المبارک

در مطبع مجتبائی واقع دہلی مطبوع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

135197

حامداً ومصلیاً ومسلماً

احقر انام محمد عبد الاحد ابن مولانا غلام محمد - جملہ اہل اسلام کی خدمت میں عموماً اور شائقین علم کلام وعقائد کی خدمت میں خصوصاً عرض رسا ہے کہ یوں تو اس فن کی کتابیں بہت سی ہیں منجملہ اُنکے تصانیف امام الکلام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کافی ووافی ہیں جیسا کہ قواعد العقائد - کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ہے - جسمیں متکلمین کے علم کا خلاصہ ہے اور اُنکی رسمی کتابوں سے تحقیق میں بہت بڑھی ہوئی ہے اور معرفت کے دروازے کھٹکھٹانے کیطرف زیادہ قریب ہے اور اسکے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جو خاص علماء کے دیکھنے اور سمجھنے کی ہیں جنمیں ہر قسم کے مباحث و دلائل موجود ہیں مگر ایسی عام فہم کتاب جو تمام مضامین کو حاوی اور اکثر مسائل کی جامع ہو تکمیل الایمان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ سے بڑھکر کسی کو نہ دیکھا - یہ کتاب اس فن میں واقعی لاجواب ہے شیخ رح نے آسانی کے ساتھ وہ وہ باتیں لکھی ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں بھی نہیں پائی جاتیں [illegible] عقائد دین اسلام کو موافق طریقہ اہل سنت والجماعۃ نہایت ش[illegible] اس خوبی سے ادا کیا ہے جس سے خود بخود دلوں میں اثر اور نور یقین پیدا ہوتا چلا جائے (ج[illegible] شیخ نے اقرار بھی کیا ہے) چونکہ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی اور ہمارے ملکی بھائی اس[illegible] نہیں اٹھا سکتے تھے اس لئے احقر نے جامع علوم ربانیہ واقف اسرار قرآنیہ فاضل اجل مولوی محمد مشتاق احمد صاحب حنفی چشتی انبہٹوی دامت برکاتہم وافاضاتہم کو اس کتاب کے [illegible] تکلیف دی - اور حضرت مولانا سلمہ نے بطیب خاطر عامۂ مسلمین کے نفع کے لئے ترجمہ کی طرف توجہ فر[illegible] چند روز میں اسکی تکمیل فرمادی - جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء - ایک قلمی صحیح نسخہ آپکے پاس تھا اس سے متن کی تصحیح فرمائی اور ترجمہ ایسی خوبی سے کیا جس سے عام حاجتیں رفع ہوگئیں - اور تمام مضامین ومقاصد بے تکلف اچھی طرح سمجھ میں آنے لگے - ترجمہ کی پاکیزگی - زبان کی سلاست کتاب کے دیکھنے پر موقوف ہے جب حضرت مولانا سلمہ ترجمہ سے فارغ ہوئے تو احقر اسکے چھاپنے کے لئے مستعد ہوا اور تھوڑے دنوں میں حق تعالےٰ کریم کی امداد سے یہ کتاب چھپ کر تیار ہوگئی ذات باری تعالےٰ شانہ سے امید ہے کہ اسے میرے لئے ذخیرۂ عقبےٰ کرے اور عامۂ مومنین کو اسکے مطالعہ سے نفع بخشے آمین ثم آمین +

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

135197

سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا۔ اور درود وسلام نازل ہو مرسلوں کے سردار متقیوں کے امام خاتم الانبیاء محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر اور اُنکی اولاد اور اصحاب اور تمام اُنکے پیرووں پر

اسکے بعد کہتا ہے فقیر حقیر اللہ قوی پیدا کرنے والے کے تمام بندوں میں زیادہ ضعیف عبدالحق سیف الدین ترک دہلوی بخاری کا بیٹا کہ یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان ہے اس میں اسلام کے عقیدوں اور طریقہ اہل سنت وجماعت کے موافق مذہب کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ فوائد شریفہ اور معانی لطیفہ پر شامل ہے۔ کلام کی توضیح اور مطلب کی تشریح ایسے طرز میں کی گئی ہے کہ خدا نے چاہا دلوں میں اثر پیدا کریگی اور باطن میں یقین کا نور بڑھا دیگی میں نے اس رسالہ کو ہر ایک سچے مومن اور سچے طالب کے لئے لکھا ہے اور میں نے اِس میں قول صحیح کے بیان کرنے اور مذہب حق کے اثبات پر اقتصار کیا ہے باطل مذہبوں کے ذکر کرنے اور لایعنی اقوال کے رد کرنے سے تعرض نہیں کیا۔ بحث وجدال اور قیل وقال کے راستہ کو چھوڑ دیا اور میں نے اس رسالہ کو علم کلام کے دلائل اور علم فلسفہ کی باریکیوں سے خالی رکھا ہے تاکہ طالب کو تذبذب اور حیرت کے گرداب میں نہ ڈالے مقصد کے پانے اور مطلب کے حاصل ہونے سے نہ روکے اللہ ہی توفیق کا مالک اور اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی باگ ہے۔

حَقَائِقُ الْاَشْيَاءِ ثَابِتَةٌ تمام چیزوں کی حقیقتیں ثابت ہیں۔ جملہ عقائد اور احکام کا مدار اس اعتقاد پر ہے کہ نفس الامر میں ہر چیز کی ایک حقیقت ہے اور یہ (ہر شئے کی حقیقت کا ہونا) کسی کے علم میں آنے یا اعتقاد کرنے پر موقوف نہیں نہ صرف وہم اور خیال ہے مثلاً پانی درحقیقت پانی ہے اور آگ اصل میں آگ ہی ہے یہ بات نہیں ہے کہ اگر آگ کی نسبت ہم پانی ہونے کا خیال کریں آگ پانی ہو اور پانی کی نسبت آگ ہونے کا خیال جمائیں وہ آگ ہو اور مثلاً گرم کو سرد کہیں وہ سرد ہو اور سرد

Marfat.com

کی نسبت گرم کا اعتقاد کرلیں گرم ہو جن لوگوں کا ایسا اعتقاد ہے اُن کو سوفطائی کہتے ہیں۔ اور یہ بات عقلاً اور شرعاً دونوں طرح بیہودہ اور باطل ہے۔ کوئی عقل والا یہ نہیں کہیگا کہ پانی اور آگ کی حقیقت صرف وہم اور خیالی ہے اور اگر کچھ حقیقت ہے وہ اعتقاد کے تابع ہے۔

ایک اور جماعت ان سوفطائیوں کی ہر چیز کی نسبت شک کرتے ہیں کہ وہ موجود ہے یا نہیں ان کو اپنے شک کرنے میں بھی شک ہے یہ کلام نامعقول اور مکابرہ ہے ان لوگوں کے ساتھ زبانی بحث ومناظرہ کرنیکا کوئی نتیجہ نہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ انکو (مثلاً) آگ میں جلا دیا جاوے اگر آگ کی حقیقت اور اُسکی گرمی کا اقرار کریں تو ملزم ہو گئے یعنی ہار گئے اور چپ رہے دم نہیں مارا یہی اصلی مراد ہے (یعنی وہ اسی سزا کے لائق ہیں)

وَالْعَالَمُ حَادِثٌ اور عالم حادث ہے قدیم نہیں یعنی جو کچھ ذات حق اور اسکی صفات کے سوا ہے وہ حادث ہے عدم سے وجود میں آیا ہے اور قدیم نہیں ہے۔ کیونکہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ یعنی اللہ ازل میں موجود تھا اور اسکے ہمراہ کوئی چیز نہ تھی اور دلیل عقلی یہ ہے کہ عالم متغیر اور حوادث کی جگہ ہے اور جو ایسا ہو وہ قدیم نہیں ہوتا کیونکہ جو قدیم ہو وہ متغیر نہیں ہوتا ایک حالت پر ہمیشہ رہتا ہے خدا تعالےٰ کی ذات اور (اُسکی جملہ) صفات ہی ایسی ہیں کہ ان میں تغیر اور تبدل کو راستہ نہیں۔ اسکی شان بلند اور اس کی برہان قوی ہے۔

وَهُوَ قَابِلٌ لِلْفَنَاءِ اور عالم موجود ہونے کے بعد فنا اور ہلاک ہونے والا ہے فرمایا اللہ تعالےٰ نے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ہر شے فنا ہوگی سوائے اللہ کی ذات کے۔ پس فرشتے اور بہشت اور دوزخ وغیرہ جنکے ہمیشہ رہنے کی خبر احادیث میں ہے (موافق اس آیہ شریفہ کے) وہ بھی فنا ہو جاوینگے خواہ ایک لمحہ کو فنا ہوں البتہ فنا ہونے کے بعد باقی رہیں گے اور کبھی فنا نہیں ہونگے۔

وَلَهٗ صَانِعٌ اور واسطے عالم کے پروردگار ہے جس نے اس کو معدوم سے موجود بنایا کیونکہ جب عالم حادث ہے اور حادث اسی کو کہتے ہیں کہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہو لہٰذا حادث کو عدم سے وجود میں لانے کے واسطے کوئی ذات چاہیئے جو اسکو موجود بنائے کسواسطے کہ اگر حادث خود بخود ہو جاتا تو حادث کیوں ہوتا قدیم اور ہمیشہ سے ہوتا اور جب قدیم اور ہمیشہ سے نہیں معلوم ہوا کہ کسی نے اسکو معدوم سے موجود بنایا اور پیدا کیا ہے۔

قَدِیْمٌ ہمیشہ سے ہے یعنی عالم کا پیدا کرنے والا قدیم ہونا چاہیئے اگر قدیم نہیں ہوگا حادث اور منجملہ عالم کے ایک ہوگا عالم کا پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔

واجب الوجود اسکا وجود واجب ہے اور اسکی ذات سے ہے غیر سے نہیں ورنہ غیر کا محتاج ہوگا اور جو غیر کا محتاج ہو وہ خدا ہونے کے لائق نہیں (کیونکہ) لفظ خدا کے معنی خود آنے والے اور خود موجود ہونے والے کے ہیں اور یہ بات ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ایک ذات تک منتہی ہونا چاہیئے جو خود موجود ہو ورنہ اسطرح یہ سلسلہ بے نہایت چلا جاویگا اور یہ غیر معقول ہے۔

وَاحِدٌ وہ یکتا ہے فرمایا اس نے بلاشبہ اللہ معبود یکتا ہے اور حقیقت میں عالم کا پیدا کرنا اور دنیا کا انتظام کرنا سوائے ایک پیدا کرنے والے اور ایک حاکم کے درست نہیں ہو سکتا۔

حَیٌّ عَالِمٌ قَادِرٌ مُرِیْدٌ زندہ اور دانا قدرت والا اور اختیار والا ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نہ جبر اور اضطرار سے کیونکہ ایسے عجیب و غریب عالم کا پیدا کرنا جو کمال درجہ مضبوطی اور اتقان میں ہے بغیر ان صفات کے ناممکن ہے مردہ اور جاہل اور غیر مختار سے کسی طرح نہیں ہو سکتا اور نیز یہ صفات (حیاۃ۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ) اس کی مخلوقات میں موجود ہیں اگر اسکی ذات میں نہ ہوتیں تو ان میں کیونکر پیدا کر سکتا۔

مُتَکَلِّمٌ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ بولنے والا سننے والا دیکھنے والا ہے کیونکہ گونگا بہرا اندھا ناقص ہے اور ناقص خدائی کے لائق نہیں ہوتا (ان صفات کے ہونے پر) قرآن شریف گواہ ہے۔ ان صفات کی حقیقت بلکہ تمام صفات الٰہی کو قیاس اور عقل سے دریافت نہیں کر سکتے ہاں اللہ کریم نے ان صفات کا نمونہ انسان کی ذات میں پیدا کیا ہے کہ جس نمونہ کے ذریعہ کسیقدر بِوَجْہٍ مِنَ الْوُجُوْہ نشان اسکی صفات کا ملجاتا ہے۔ لیکن فی الواقع انسان کی صفات اسکی صفات سے کسی طرح مشابہ نہیں۔

صِفَاتُہٗ قَدِیْمَۃٌ بَاقِیَۃٌ اللہ پاک کی صفتیں اسکی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔

لَا یَقُوْمُ بِذَاتِہٖ حَادِثٌ اللہ پاک کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم نہیں جسقدر اسکے کمالات حقیقیہ ہیں وہ ازل میں ثابت ہیں کیونکہ محل حوادث حادث ہوتا ہے اور جو قدیم ہے وہ محل حوادث نہیں ہو سکتا

لَیْسَ بِجِسْمٍ وَّلَا جَوْہَرٍ وَّلَا عَرَضٍ وَّلَا مَصْوَّرٍ وَّلَا مُرَکَّبٍ وَّلَا مُتَبَعِّضٍ وَّلَا مَحْدُوْدٍ وَّلَا فِیْ جِہَۃٍ وَّلَا فِیْ مَکَانٍ وَّلَا فِیْ زَمَانٍ۔

اللہ پاک نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے یعنی بدن نہیں ہے اور نہ صفات بدن سے ہے

جیسے سیاہی اور سفیدی۔ اور مصوّر نہیں ہے یعنی صورت اور شکل سے پاک ہے مرکّب نہیں ہے کہ اجزار سے ملکر بنا ہو معدود نہیں ہے کہ اسکو گن سکیں۔ محدود نہیں ہے کہ اسکی حد و نہایت ہو۔ کسی جہت میں (اُوپر نیچے پیچھے آگے بائیں واہنے) نہیں ہے نہ کسی جگہ میں ہے اور نہ زمانہ میں۔ کیونکہ یہ تمام صفتیں عالم کی ہیں اور اللہ پاک عالم کی صفات سے پاک ہے۔ زمانہ میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ اسکو احاطہ کئے ہوئے اور شامل نہیں ہے اور اسکا وجود زمان پر موقوف نہیں ہے جب زمانہ نہ تھا اسوقت بھی وہ موجود تھا اب بھی کہ زمانہ ہے وہ موجود ہے وہ زمانہ میں نہیں ہے زمانہ کے ہمراہ ہے

لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا شِبْهَ وَلَا ضِدَّ وَلَا نِدَّ وَلَا ظَهِيْرَ وَلَا مُعِيْنَ اللہ جل جلالہ کی ذات اور صفات میں کوئی اسکی مانند اور مشابہ نہیں اور نہ اسکی ضد اور نہ ند جو اسکے مخالف ہو ضد وہ مخالف ہے جو غیر جنس سے ہو اور ند وہ مخالف ہے جو اُس شے کے ہمجنس ہو۔ اور نہ کوئی اسکا پشت پناہ ہے اور نہ مددگار۔

وَلَا يَتَّحِدُ بِغَيْرِهٖ وَلَا يَحُلُّ فِيْهِ نہ اپنے غیر کے ساتھ ملکر ایک ہوا اور نہ غیر میں حلول کرے کیونکہ دو کا ایک ہونا محال ہے۔ دوئی ایک ہونے کی ضد ہے اور غیر میں حلول کرنا یعنی داخل ہونا اجسام کی صفات میں سے ہے جیسا پانی مٹی میں اور آگ پتھر میں روشنی گھر میں آدمی مکان میں ہے یہاں مذہب حلول اور اتحاد کا بطلان ہوا۔

مُتَّصِفٌ بِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ مُنَزَّهٌ عَنْ سِمَاتِ النَّقْصِ وَالزَّوَالِ صفات کمال سے موصوف ہے اور نقصان و زوال کی علامتوں سے پاک ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جسقدر صفات بقا اور کمال کی ہیں سب اس میں موجود ہیں اور جسقدر نشان نقص و زوال کے ہیں تمام سے منزہ ہے (جَلَّ جَلَالُهٗ وَتَعَالٰى شَانُهٗ

وَهُوَ مَرْئِيٌّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعتقاد کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ایمان والوں کو اپنا دیدار دکھاویگا فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ بیشک قریب ہی کہ تم دیکھو گے اپنے رب کو قیامت کے دن جیسے دیکھتے ہو چاند کو چودھوین رات تشبیہ فقط دیکھنے میں ہے ذات پروردگار اور چاند میں نہیں ہے اور قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے دیدار میں مقابلہ اور مواجہ اور قرب و بعد نہ ہوگا اس بصر یعنی آنکھہ کو بصیرت کی قوت عطا ہو جاوے گی جو آج بصیرت یعنی دل کی آنکھہ سے دیکھتے ہیں قیامت کو سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے حاصل یہ کہ جسطرح آج اسکو بے کیف جانتے ہیں ایساہی اُس دن بے کیف دیکھینگے عالم آخرت حقیقت کے

پروردگار کی ذات و صفات میں کوئی اسکا مانند و مشابہ نہیں الخ

پروردگار نہ اپنے غیر کے ساتھ ملکر ایک ہوا اور نہ غیر میں حلول کرے

پروردگار صفات کمال سے موصوف ہے اور نقصان و زوال کی علامتوں سے پاک ہے

قیامت کے دن ایمان والوں کو اپنا دیدار دکھاوے گا

ظاہر ہونے کی جگہ ہے جو آج باطن ہے وہ کل ظاہر ہو جاویگا اور جو آج پوشیدہ ہے وہ کل کو کھلجاویگا اور جب شارع علیہ السلام نے خبر دی اسپر اعتقاد رکھنا واجب ہو گیا (ہاں) اسکی کیفیت اللہ کریم کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔

بعض کتابوں میں ایسا مذکور ہوا اور مشہور ہے کہ فرشتوں کو اللہ کریم کا دیدار نہیں ہوگا مگر جبرئیل علیہ السلام کو کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ سے زیادہ انکو بھی نہیں ہوگا۔ اور جنات کو بھی دیدار نہیں ہوگا شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسائل میں تحقیق کی ہے کہ یہ بات صحیح نہیں کیونکہ امام شیخ ابو الحسن اشعری نے جو اہل سنت و جماعت کے پیشوا اور رئیس ہیں اپنی کتاب میں بتلا دیا ہے کہ بہشت میں فرشتوں کو دیدار ہوگا اور امام بیہقی نے بھی اسی کے موافق بیان کیا ہے اور حدیثوں کو (اسکی تائید میں) نقل کیا ہے ائمہ متاخرین میں سے بعض نے ایسا ہی لکھا ہے۔

ہاں اگر جنات کی نسبت دیدار کا نہ ہونا بیان کریں تو ہو سکتا ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور اماموں کی ایک جماعت اسطرف گئی ہے کہ انکو ثواب نہیں ملتا اور بہشت میں داخل نہیں ہونگے نہایت بدلہ اُنکا یہ ہے کہ دوزخ کی آگ سے نجات پاویں لیکن اللہ تعالے کا فضل بہت وسیع ہے ممکن ہے کہ کسی وقت اس نعمت سے بہرہ اندوز ہوں اگرچہ (آدمیوں کی مانند) ہر روز اور ہر جمعہ کو نہ ہو۔ عورتوں کی رویت دیدار میں بھی اختلاف ہے حق یہ ہے کہ کبھی کبھی انکو دیدار ہوگا مثلاً دنیا کے بعض ایام عید وغیرہ کی طرح دربار عام ہو اسمیں انکو دیدار نصیب ہو مومنوں کی طرح نہیں کہ خواص مومنوں کو ہر صبح شام دیدار ہوگا اور عام مومنوں کو ہر جمعہ دیدار ہوگا اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں یہ جو میں نے بیان کیا سیوطی کا کلام ہے۔ کہتا ہوں میں (حضرت مصنف شیخ عبد الحق) کہ عورتیں عام مومنین کی طرح بشارت دیدار میں داخل ہیں اسی طرح فرشتے اور جن داخل ہیں ممکن ہے کہ یہ کرامت (بشارت دیدار) آدمیوں کیواسطے خاص طور پر ہو فرشتوں اور جنات کیواسطے یہ خصوصیت نہ ہو ہاں اگر کوئی دلیل ہم پہنچے تو پھر کوئی خدشہ نہیں لیکن اس بشارت سے عورتوں کا اخراج کرنا جائز نہیں اور کس طرح یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا اور خدیجۃ الکبرے و عائشہ صدیقہ و دیگر نساء اہل بیت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مریم و آسیہ کہ عالم کی عورتوں کی سردار ہیں عرفان و کمال میں بہت مردوں سے زیادہ ہیں دیدار الٰہی سے ممنوع اور محجوب رہیں۔

Marfat.com

یا عوام مردوں سے اس نعمت و کرامت میں کم ہوں بلکہ ان کو عام مومنات سے مخصوص اور مستثنیٰ رکھا جاوے جنکی نسبت احادیث میں اعیاد اور جمعہ کا تعین ہے تو ہوسکتا ہے چنانچہ سیوطی نے بھی اسطرف اشارہ کیا ہے اور یہ جو کہتے ہیں (کہ عورتوں کو دیدار اسواسطے نہ ہوگا) کہ وہ خیموں میں ہونگیں ضعیف بات ہے کیونکہ وہاں خیمے دنیا کے گھروں کی طرح حجاب نہیں ہونگے۔ اور یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ اور اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ میں جو دو صیغے جمع مذکر کے ہیں پہلے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ مومن اللہ کریم کا دیدار دیکھیں گے اور دوسرے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ بیشک تم عنقریب اپنے رب کو دیکھو گے سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ تغلیباً ہے یعنی غلبہ مردوں کا بیان کیا گیا اور عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں واللہ اعلم۔ سیوطی نے یہ بھی کہا ہے کہ رویت کی یہ تخصیص اور تفصیل بہشت میں داخل ہونے کی بعد ہے اور موقف میں کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ کافروں اور منافقوں کو بھی موقف میں رویت ہوگی لیکن جلال و قہر کی صفت میں ہوگی اسکے بعد محجوب کئے جاوینگے تاکہ حسرت اور عذاب زیادہ ہو واللہ اعلم اور اللہ کریم کو خواب میں دیکھنے کی نسبت بھی اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ خواب میں دیدار پروردگار سے مشرف ہونا درست ہے اور سلف سے اسکے متعلق روایتیں منقول ہیں۔ امام احمد سے منقول ہے کہ اُنہوں نے کہا میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا اے پروردگار سب عبادتوں میں کونسی عبادت افضل ہے اور تیری بارگاہ میں پہنچنے کا کونسا راستہ نزدیک ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اُنھوں نے پروردگار عالم کو سو دفعہ خواب میں دیکھا۔ ابن سیرین جو اکابر تابعین سے ہیں اور خواب کی تعبیر میں پیشوا مانے جاتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص حق تعالے کو خواب میں دیکھے (تعبیر اسکی یہ ہے) کہ بہشت میں داخل ہو اور غم و رنج سے نجات پاوے۔ یہ درحقیقت مشاہدہ قلبی ہے آنکھ کا دیکھنا نہیں ہے۔ اور اگر کوئی آنکھ سے دیکھے وہ مثال کا دیکھنے والا ہے حق تعالی مثل نہیں ہے مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل وہ ہے جو جمیع صفات میں ممثل لہ کے مشابہ ہو۔ مثال میں مساوات شرط نہیں ہے مثلاً عقل کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہیں اور وہ جمیع صفات میں آفتاب کی مثل نہیں ہے حالانکہ آفتاب کی مثال عقل کو لاتے ہیں مناسبت صرف اسمیں ہے کہ جسطرح آفتاب کے نور سے محسوس چیزیں منکشف ہوتی ہیں عقل کے نور سے معقولات منکشف ہوتی ہیں۔ مثال ہونے کیواسطے اسیقدر مناسبت کافی ہے اسی طرح بادشاہ کو سورج کی مثال اور چاند کو

خواب میں پروردگار کو دیکھنا درست ہے۔

مثل و مثال

وزیر کی مثال دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آفتاب کو خواب میں دیکھے اُسکی تعبیر یہ ہے کہ بادشاہ سے ملے اور جو چاند کو خواب میں دیکھے اُسکی تعبیر یہ ہے کہ وزیر سے ملے۔ حق تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ یعنی اللہ کے نور کی مثال مانند طاق کے ہے کہ اسمین چراغ ہے اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہے اور اللہ پاک ہے اُس سے کہ مصباح اور زجاجہ یعنی چراغ اور قندیل اور طاق اور درخت وزیتون اسکی مثل ہون (یہاں اسکے نور کی مثال ہیں) اور قرآن کو حبل متین یعنی مضبوط رسی سے تعبیر کیا۔ اور شک نہیں ہے کہ رسی مثل قرآن نہیں ہان مثال ہے۔ عالم خواب عالم مثال ہے۔ اور حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے اور مشرف بزیارت ہونے کی کیفیت بھی اِسی طرح ہے۔ اس کلام کی پوری تحقیق امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل سے معلوم کرنی چاہیئے اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

دنیا میں اللہ سبحانہ کو سر کی آنکھ کے دیکھنے میں بیداری کی حالت میں دو قول ہیں اُستاد ابو القاسم قشیری صاحب رسالہ نے فرمایا کہ عدم جواز کا قول صحیح ہے یہ گفتگو جواز اور امکان میں ہے۔ اور عدم وقوع میں سب کے نزدیک محقق ہو چکا کہ سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے (کہ شب معراج میں حسب روایت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دیدار ہوا) اور کسی کو میسر نہ ہوا۔

محدثین اور فقہاء و متکلمین اور مشائخ طریقت کا اسپر اجماع ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کو دنیا میں سر کی آنکھوں سے) دیدار پروردگار میسر نہیں ہوا۔ کتاب تعرّف میں لکھا ہے مشائخ میں سے کسی نے رویت کا دعوی نہیں کیا اور نہ کسی سے ثبوت کو پہنچا مگر جاہلوں کے گروہ سے کہ انہیں کوئی نہیں جانتا۔ مشائخ اسپر اتفاق رکھتے ہیں کہ رویت کا مدعی کاذب اور جھوٹا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسی رویت کا دعوی کرنا معرفت کے حاصل نہ ہونے کی نشانی ہے جس نے یہ دعوی کیا حقیقت میں اُس نے اللہ تعالےٰ کو نہیں پہچانا۔ شیخ علاء الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح تعرف میں فرمایا ہے کہ اگر کسی معتبر سے نقل اسکی صحت کو پہنچے تو اسکی تاویل کرنی چاہیئے۔ تفسیر کواشی میں مذکور ہے کہ سر کی آنکھ سے رویت آلہی کا معتقد مسلمان نہیں ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد درست ہے۔ اردبیلی نے کتاب انوار میں جو شافعی فقہ کی کتاب ہے لکھا ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو دنیا میں (سر کی آنکھ سے) دیکھتا ہوں اور اُسکے ساتھ بالمشافہہ کلام کرتا ہوں وہ کافر ہے۔

اور عقیدہ منظومہ میں یہ اشعار ہیں۔ وَمَنْ قَالَ فِی الدُّنْیَا یَرَاہُ بِعَیْنِہٖ ؛ فَذٰلِکَ زِنْدِیْقٌ طَغٰی وَتَمَرَّدَا ؛
وَخَالَفَ کُتُبَ اللّٰہِ وَالرُّسُلَ کُلَّھَا ؛ وَزَاغَ عَنِ الشَّرْعِ الشَّرِیْفِ وَاَبْعَدَا ؛ وَذٰلِکَ مِمَّنْ قَالَ فِیْہِ اِلٰھُنَا ؛
یُرٰی وَجْھُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَسْوَدَا ؛ ترجمہ اور جس شخص نے کہا کہ وہ اللہ کو دنیا میں اس آنکھ سے دیکھتا ہے وہ شخص زندیق ہے اس نے گمراہی اختیار کی اور سرکش ہوا اور مخالفت کی اللہ کی کتابوں کی اور اسکے تمام رسولوں کی اور شرع شریف کے راستہ کے خلاف ہو گیا اور دور ہو گیا یہ اُن اشخاص میں سے ہے جنکی نسبت اللہ نے فرمایا کہ ان کا چہرہ قیامت کے دن سیاہ نظر آوے گا۔

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم نہیں پھرنا گناہ سے اور نہیں قوت نیک کام کرنیکی مگر ساتھ مدد اللہ کے

خَالِقٌ لِجَمِیْعِ الْاَشْیَاءِ اللہ تعالے پیدا کرنے والا تمام چیزوں کا ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اُن سب کی ذات اور اُنکے کام اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور اُسکی قدرت سے ہیں

وَمُدَبِّرُھَا وَمُقَدِّرُھَا تدبیر کرنے والا سب کاموں کا اندازہ کرنے والا تمام چیزوں کا وہی ہے۔
تدبیر عبارت ہے کاموں کا انجام معلوم کر کے ایسی درستی سے بنانا کہ اُن میں کوئی نقصان پیدا نہ ہو اور تقدیر قدر مخصوص اور اندازہ معین سے جو ازل میں ہو چکا تھا اشیاء کو پیدا کرنا۔ خیر و شر اور نفع و ضرر حسن و قبح تمام قضا و قدر الٰہی سے ہیں۔

وَعَالِمٌ بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ اور اللہ تمام اشیاء کا عالم ہے جزو کل تمام عالم کے ذرات میں سے ہر ایک ذرہ اسکے علم سے باہر اور غائب نہیں ہے۔

وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

وَلَا یَجِبُ عَلَیْہِ شَیْءٌ کوئی چیز اسپر واجب اور لازم نہیں ہے نہ لطف اور نہ قہر اور نہ ثواب نہ عقاب خدا وہ کرتا ہے جو چاہتا ہے خدا پر کچھ حکم نہیں کر سکتے عبادت کرنے والوں کو ثواب اسکے فضل سے ہے اور گناہ گاروں کو سزا اسکے عدل سے ہے اللہ جل شانہ ہر حالت میں قہر میں عدل میں فضل اور کرم میں محمود ہے کسی کو اسپر استحقاق اور حق لازمی نہیں ہے ہاں اس نے خود فرمایا ہے کہ فرمانبرداروں کو ثواب دونگا اور نافرمانوں کو عذاب کرونگا یقیناً ایسا ہی ہوگا جیسا اُس نے فرمایا لیکن یہ اسپر واجب نہیں ہے اور اگر بالفرض اس کے خلاف کرے کسی کی یہ طاقت نہیں کہ کہہ سکے ایسا کیوں کیا۔

وَلَا غَرَضَ لِفِعْلِهٖ اسکو اپنے کاموں کے متعلق کوئی غرض نہیں اسواسطے کہ صاحب غرض اپنی غرض کے پورا کرنے کا محتاج ہوتا ہے لیکن اُسکے ہر ایک کام میں حکمتیں ہیں کہ انسان اُنکی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز ہے اور جو فائدے ان حکمتوں سے پہنچیں وہ مخلوق کے واسطے ہیں اللہ پاک کو ان فائدوں کی احتیاج نہیں خلقت کا موجود ہونا اور معدوم ہونا اور اُنکے نفع اور نقصان پروردگار کی ذات کی نسبت یکسان ہیں وہ اپنی حقیقی اور ذاتی بخشش سے اور اپنے ارادہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے (اگرچہ ہر کام مصلحت سے ہوتا ہے) مگر رعایت حکمت اور مصلحت اسپر واجب نہیں ہے جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَظُمَ شَانُهٗ

وَلَا حَاكِمَ سِوَاهُ اُسکے سوا کوئی حاکم نہیں ہے صرف اسی کا حکم ہے واجب حرام اور حسن قبیح پر ثواب یا عذاب اسی کے حکم سے مرتب ہوتا ہے اچھا کام وہ ہے جسکا اُس نے حکم دیا برا وہ جس کو اُس نے منع فرمایا پس کام کا اچھا ہونا یا برا ہونا شارع کے حکم دینے یا منع کرنے کے متعلق ہے یہاں عقل کا کچھ دخل نہیں ہے کہ وہ حکم لگاوے یہ فعل اچھا اور موجب ثواب ہے اور یہ کام بُرا اور باعث عذاب ہے پس جن لوگوں کو دعوت اسلام نہ پہنچے جیسے پہاڑ کے رہنے والے کہ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں مر گئے اور آبادی والوں سے نہیں ملے آخرت میں ماخوذ اور معذب نہیں ہونگے ہاں بعض مشائخ کے نزدیک ایمان نہ لانے اور اللہ تعالےٰ کی توحید کا اعتقاد نہ کرنے پر ماخوذ ہونگے کیونکہ اسقدر معلوم کر لینا کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ تمام صفات کمال سے موصوف ہے شرع شریف پر موقوف نہیں عالم کا تغیر اور امکان دیکھکر عقل کے نزدیک توحید صانع پر ایمان لانا واجب ہے۔ پہلے فریق کی دلیل قرآن شریف کی یہ آیت ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ہم کسی کو عذاب نہیں کرینگے مگر جب کہ اسکے پاس رسول بھیجیں رسول اسلام کی طرف بلاوے اور وہ اسکے بلانے کو نہ مانیں رسول کی مخالفت کریں تب عذاب کے مستحق ہونگے اور یہ تاویل کرنا کہ مراد رسول سے اس آیہ شریفہ میں عقل ہے محض لغو اور بیہودہ خیال ہے۔ شیخ کمال الدین ابن ہمام نے کہ محققین حنفیہ سے ہیں فریق اول ہی کی تائید کی ہے ابو الیسر بزدوی بھی اسی طرف ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

فَالْحُسْنُ مَا حَسَّنَهُ الشَّرْعُ وَالْقَبِيْحُ مَا قَبَّحَهُ الشَّرْعُ پس لازم آیا کہ فعل حسن اور

نیک کام وہی ہے کہ شارع علیہ السلام نے اسکا حکم دیا اور فعل قبیح اور بُرا کام وہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا خود فعل اپنی ذات میں نہ حسن ہے نہ قبیح کیونکہ اچھے اور برے کی نسبت ثواب یا عذاب آخرت کا مترتب ہونا عقل کی دریافت سے باہر ہے۔ ہاں فعل کے متعلق مدح اور ذم کا ہونا مثلاً عدل کو اچھا جاننا اور ظلم کو بُرا سمجھنا یا علم کو صفت کمال اور جہل کو صفت نقصان خیال کرنا یہ عقل کے متعلق ہے اور عقل اسکو پہچانتی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةٌ اور اعتقاد کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں اجسام اُن کے نورانی ہیں جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں حقیقت انکی ارواح مجردہ ہیں اُنکا بدن اُنکے حق میں لباس کا حکم رکھتا ہے نہ مرد ہیں نہ عورت ہیں توالد وتناسل کا سلسلہ انمیں جاری نہیں۔ آسمان اور زمین بلکہ عالم کے تمام اجزاء پر فرشتے موکل ہیں کہ اس کے مربی اور مدبر ونگہبان ہیں اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی فرشتے مقرر ہیں بعض اعمال کے لکھنے پر اور بعض شیطان سے اور دیگر موذیوں سے بچانے پر مقرر اور محافظ ہیں تمام عالم علوی وسفلی میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ فرشتوں سے معمور نہ ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ تمام خلقت کے دس حصّہ ہیں جنمیں نو حصّے فرشتے اور ایک حصّہ باقی مخلوقات ہے۔

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فرشتوں کے بازو ہیں دو دو تین تین چار چار قرآن شریف میں فرشتوں کے واسطے بازوؤں کا ہونا ثابت ہے لہذا اسپر ایمان لانا اور اعتقاد کرنا واجب ہے اور واقعی مراد کو خدا تعالےٰ کے سپرد کرنا چاہیئے یا یہ تاویل کیجاوے کہ بازوؤں سے مراد قوائے ملکی ہیں جیسا کہ حکم متشابہات قرآنی کا ہے واللہ اعلم اور عدد مذکور سے مراد حصر نہیں ہے کہ چار چار بازو تک فرشتوں کے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر دیکھے۔

مِنْهُمْ جِبْرَئِيْلُ تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب ہیں کہ عالم کے بڑے بڑے کاموں پر مامور ہیں اور ملک وملکوت کے اہم معاملات انکے سپرد ہیں ایک ان میں جبریل علیہ السلام ہیں کہ علوم کا اظہار کرنا اور وحی کا انبیا علیہم السلام پر پہنچانا انکے سپرد ہے۔

وَمِيْكَائِيْلُ دوسرے میکائیل علیہ السلام ہیں کہ مخلوقات کے رزقوں کا پہنچانا اور اُنکی مقدار انکے سپرد ہے

وَاِسْرَافِیْلُ تیسرے اسرافیل علیہ السلام ہیں کہ صور کا پھونکنا پہلی بار واسطے ہلاک ہونے عالم کے اور دوبارہ قبروں سے اٹھکر محشر میں حاضر ہونے کیواسطے صور پھونکنا انکے سپرد ہی وعزرائیل چوتھے عزرائیل علیہ السلام ہیں کہ تمام عالم کی ارواح کا قبض کرنا انکے متعلق ہے۔ اکثر علماء یہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ چاروں فرشتے فضیلت میں برابر ہیں۔ سوائے ان چاروں کے اور فرشتے بھی مقرب اور عظیم الشان ہیں اُنمیں آٹھ فرشتے عرش کے اٹھانے والے ہیں عظمت انکے اجسام کی اسقدر ہے کہ انکے کندھوں سے کان کی لو تک دوسو برس کے راستہ کی برابر مسافت ہے اور ایک روایت میں سات سو برس کے راستہ کی برابر فاصلہ آیا ہے۔

وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مَقَامٌ مَعْلُومٌ اور ہر ایک کے لئے ان فرشتوں میں سے اللہ تعالےٰ کے قرب اور بارگاہ میں مقام معلوم اور مرتبہ خاص ہے کہ اس سے تجاوز اور ترقی نہیں کرتے اور جو کمال کہ لائق انکے حال کے ہو بالفعل انکو حاصل ہے اُن میں شوق تحصیل کمال کا نہیں اور جو چیز اُنکے حق میں بالقوہ ہو اسکو بالفعل نہیں کرتے کیونکہ شوق اس چیز پر ہوتا ہے جو حاصل نہ ہو اور مفقود ہو اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ ملائکہ میں عشق نہیں اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ فرشتوں میں اللہ تعالےٰ کی محبت اور معرفت نہیں ہے۔

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ خدا تعالےٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جسکا انکو حکم دیا جاتا ہے۔ ابلیس نے جو نافرمانی کی درحقیقت وہ فرشتہ نہ تھا بلکہ اصل خلقت میں جن تھا عبادت کے سبب فرشتوں میں شمار کیا جاتا تھا انجام کار اُس نے اپنی اصل کی طرف رجوع کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ فرشتے اور جن پیدائش میں ایک دوسرے کے قریب ہیں کہ نار نور بھی رکھتی ہے اور وہاں بھی اگر وہاں اُسمیں سے جاتا رہے تو نور رہجاوے واللہ اعلم۔

وَلَهٗ كُتُبٌ اَنْزَلَهَا عَلٰى رُسُلِهٖ اللہ تعالےٰ کی کتابیں ہیں جو بعض انبیاء پر نازل کی ہیں اور سب کو انکی متابعت کا حکم دیا ہے تمام کتابیں ایکسو چار ہیں جن میں چار کتابیں بڑی اور مشہور ہیں مِنْهَا التَّوْرَاةُ اُن آسمانی کتابوں میں سے ایک توراۃ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے اور تمام انبیاء بنی اسرائیل اسی کتاب کے تابع ہیں۔ وَالزَّبُوْرُ دوسری کتاب آسمانی زبور ہے

کہ داؤد علیہ السلام پر اُتری ہے۔ وَالْاِنْجِیْلُ اور تیسری کتاب آسمانی انجیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔

اور یہ تمام کتابیں بعد ذکر اللہ اور بیان احکام شرعی کے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اُنکے اصحاب اور اُنکے احوال اور اوصاف سے پر ہیں۔ انبیاء سابقین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے عمدہ اوقات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مناقب اور محامد میں گذرتے تھے کہ حضور کے نام مبارک سے بارگاہ الٰہی میں تقرب اور توسل تلاش کیا کرتے تھے۔ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ اور چوتھی کتاب آسمانی قرآن شریف ہے کہ تمام کتب آسمانی کا خلاصہ ہے اور یہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اعجاز نظم قرآن شریف کا خاصہ ہے جو کسی کتاب آسمانی میں نہیں (یعنی کوئی بشر قرآن شریف کی تین آیتوں کے برابر نہیں بنا سکتا) توراۃ ضخامت میں اسقدر بڑی ہے کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کو یاد نہیں ہو سکتی تھی لیکن قرآن مجید باوجود اختصار کے سب کتابوں سے اعظم و اکمل ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ قرآن شریف ایسی کتاب ہے کہ اسمیں کچھ شک نہیں پرہیزگاروں کیواسطے باعث ہدایت ہے۔ تمام کتابیں اس حیثیت سے کہ خدا کا کلام ہیں برابر ہیں اگرچہ بوجوہ دیگر ایک دوسری سے افضل ہیں جسطرح انبیاء علیہم السلام نفس پیغمبر ہونے میں سب برابر ہیں جیساکہ فرمایا لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ نہیں فرق کرتے ہم رسولوں میں سے کسی میں مگر مراتب میں بعض بعض سے افضل ہیں جیساکہ فرمایا تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ رسول بزرگی دی ہم نے بعض کو بعض پر۔

وَاَسْمَاءُهٗ تَوْقِيْفِيَّةٌ اور نام اللہ کے توقیفی ہیں یعنی سننے پر موقوف ہیں اور شرع شریف سے منقول ہیں پس جو نام شرع شریف میں آیا ہے اُسی سے اللہ کو پکار سکتے ہیں اپنی طرف سے نیا نام مقرر نہیں کر سکتے اگرچہ عقل کے نزدیک اسکا اطلاق درست ہو یا اسکے معنی اللہ کے نام کے مطابق ہوں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ کو شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے جواد کہینگے سخی نہیں کہینگے عالم کہینگے عاقل نہیں کہینگے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ ممانعت نام رکھنے میں ہے وصف کرنے میں ممانعت نہیں کیونکہ نام رکھنا ایک تصرف ہے کہ سوائے نام رکھنے والے کے اور کسی کو نہیں پہنچتا اور

Marfat.com

یہ گفتگو اُن ناموں میں ہے جو صفات اور افعال سے لیے گئے ہیں ورنہ اسمار اعلام میں کلام نہیں کہ ہر زبان ذات الٰہی کیواسطے موضوع ہے لیکن کفار کی زبان میں جو نام مخصوص ہیں اللہ تعالےٰ کو اُن سے پکارنا نہیں چاہیئے کہ اِسمیں اندیشہ کفر کا ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ اسمار الٰہی ان ننانوے ناموں میں منحصر نہیں ہیں بہت سے نام ایسے ہیں کہ خلقت کو نہیں معلوم کرائے اور بعض اسمار الٰہی ایسے ہیں کہ خلقت اُن کو جان نہیں سکتی اور شرع شریف میں بھی اِن ننانوے سے زیادہ آئے ہیں لیکن ان اسمار کی شہرت ایک خاصیت خاص کے سبب ہے جو اِن میں رکھی ہے چنانچہ فرمایا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصٰھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے انکو یاد رکھا جنت میں داخل ہوا۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ مثلاً کوئی بادشاہ کہے میرے ہزار سوار ایسے ہیں کہ جو شخص اُن سے مدد چاہے مدد کرتے ہیں اور جہاں جاتے ہیں فتحیاب ہوتے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس بادشاہ کے پاس سوا ان ہزار سوار کے اور سوار نہیں ہیں بلکہ بادشاہ کے سوار بیشمار ہیں مگر ان میں ہزار اس قسم کے ہیں کہ بیان کئے بس اللہ کے نام بیشمار ہیں لیکن ان ننانوے ناموں کے ذکر میں یہ خاصیت ہے کہ انکے یاد کرنے سے جنت میں داخل ہوگا واللہ اعلم۔

وَھُوَ خَالِقٌ لِاَفْعَالِ الْعِبَادِ فَالْکُفْرُ وَالْمَعْصِیَۃُ بِاِرَادَتِہٖ وَتَقْدِیْرِہٖ لَا بِرِضَاہُ اور اللہ ہی بندوں کے افعال کا پیدا کرنے والا ہے پس کفر اور گناہ اسی کے ارادہ اور تقدیر سے ہے مگر وہ کفر اور گناہ سے رضامند نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے پس بندوں کے افعال بھی اسکی پیدائش اور تقدیر سے ہیں کہ افعال بھی منجملہ اشیاء کے ہیں اور وہ عموماً تمام اشیاء کا خالق ہے خاص افعال عباد کی نسبت بھی فرمایا وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا۔ غرض کفر اور ایمان اور طاعت و عصیان نیکی اور بدی بندوں سے اللہ تعالےٰ کے ارادہ اور تقدیر اور حکم سے صادر ہوتے ہیں اللہ تعالےٰ ایمان اور طاعت اور نیکی سے رضامند ہے اور کفر و معصیت سے ناراض ہے چنانچہ فرمایا وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ یعنی اللہ اپنے بندوں سے کفر کرنے میں رضامند نہیں ہے۔ چاہنا اور پیدا کرنا دوسرا امر ہے اور راضی ہونا امر دوسرا۔ رضا جب سمجھی جاوے کہ حکم کرے یوں کرو اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی حکمت کے

سبب سے حکم کرتا ہے لیکن اسکا واقع ہونا نہیں چاہتا اور حکمت اسکی سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اسکی مثال ایسی ہے جیسے مالک اپنے بندہ کی نافرمانی اور گناہ کا اثبات اور اظہار کرنا چاہے بندہ کو کسی کام کرنے کا حکم دے اور یہ نہ چاہے کہ وہ کرے تاکہ اسکا نافرمان ہونا سب پر ظاہر ہو جاوے اس جگہ امر و نہی کرنے میں حکمت اور فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ حقیقت بندوں کی جو علم ازلی میں پوشیدہ ہے وہ کھل جاوے اور یہ معلوم ہو جاوے کہ کون مطیع اور فرمانبردار ہے اور کون فاسق اور غیر فرمانبردار ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

وَلِلْعِبَادِ اَفْعَالٌ اِخْتِیَارِیَّۃٌ یُثَابُوْنَ بِھَا وَیُعَاقَبُوْنَ عَلَیْھَا اور واسطے بندوں کے افعال اختیاریہ ہیں جن کے کرنے سے اُنکو ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔ باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالےٰ کے ارادہ اور تقدیر سے ہے بندہ بھی فاعل و مختار ہے کہ اپنے کام میں اختیار رکھتا ہے مجبور اور مضطر نہیں۔ ثواب و عذاب اسی اختیار پر مترتب ہے جو بندہ کو حاصل ہے۔

اوّل جاننا چاہیئے کہ جبر و اختیار کے کیا معنی ہیں تاکہ اس مسئلہ کی حقیقت معلوم ہو۔ آدمی سے جو کام صادر ہوتے ہیں اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے کسی چیز کا تصور کرے اگر وہ چیز اُسکی طبیعت کے موافق ہو اسکے باطن میں اسکے کرنے کی خواہش پیدا ہو اور اُس خواہش کے پیچھے چلے اور اُسکی طرف حرکت کرے اور اگر وہ چیز طبیعت کے مخالف ہو نفرت اور کراہت اُس سے دل میں پیدا ہو اور اسکے نہ کرنے کی طرف حرکت کرے حالانکہ خواہش اور نفرت پیدا ہونے سے پہلے اس چیز کا کرنا اور نہ کرنا برابر تھا اور ممکن تھا کرتا یا نہ کرتا خواہ مرتبہ تصور میں جو فعل کے ساتھ قوت قریبہ ہی یا تصور سے پہلے جو مرتبہ فعل سے دور تر ہے آدمی کی اس حرکت کو حرکت اختیاری کہتے ہیں اور جو فعل اس حرکت پر مترتب ہو وہ فعل اختیاری ہے۔

دوم یہ کہ کام سے پہلے اسکا تصور اور شوق اور خواہش نہ ہو بغیر خواہش کے رعشہ والے کی طرح حرکت صادر ہو اس حرکت کو جبری اور اضطراری کہتے ہیں۔ پس اختیار ان معنی سے جو قسم اول میں بیان کیا گیا اسکا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اس قسم کے اختیار کا انکار ایسا ہی جیسے کوئی شخص کہنے لگے آدمی کے کان نہیں یا آنکھ نہیں اور اگر کوئی شخص کہے کہ آدمی کی تمام حرکات اور اُسکے افعال قسم دوم سے یعنی مرتعش کی حرکت کی طرح ہیں یہ حس کا انکار کرنا ہے جس کو

Marfat.com

کوئی عاقل گوارا نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ شبہ پیش آجاتا ہے کہ آدمی کے افعال علم الٰہی اور ارادت ازلی اور قضا و قدر کے موافق وجود میں آتے ہیں اگر خدا تعالےٰ نے ازل میں جانا اور چاہا کہ فلاں فعل فلاں بندہ سے صادر ہو ضرور وہ کام اس بندہ سے ہوگا خواہ بے اختیار ہو جیسے حرکت اضطراری یا اختیار سے ہو اگر فعل اختیاری ہے پس انسان کا اس کام کے کرنے اور وجود میں لانے کا اختیار نہیں ہاں یہی کہا جاسکتا ہے کہ قصد اور خواہش سے کرنا اختیار میں داخل ہے اور نیز آدمی کو اگرچہ فعل میں اختیار ہے مگر اسکے مبادی میں یعنی جو موقوف علیہ ابتدائی اس کام کے ہیں اختیار نہیں دیا مثلاً اگر انسان کی آنکھیں کھلی ہوں پھر نہ دیکھے یہ اسکے اختیار میں نہیں دیکھنے کے بعد اگر وہ شے مطلوب ہے اسکی خواہش پیدا ہوتی ہے شوق بڑھتا ہے حرکت اس کام کے کرنے کی پیدا ہو جانی لازم ہو جاتی ہے پس آدمی کو اختیار ہے مگر اپنے اختیار میں اختیار نہیں رکھتا آخر الامر وہی بات قرار پائی جو علماء کہتے ہیں

مُخْتَارٌ فِیْ فِعْلِہٖ وَمَجْبُوْرٌ فِیْ اِخْتِیَارِہٖ یعنی بندہ اپنے فعل میں مختار ہے مگر خود اختیار میں مجبور ہے یا یوں کہیے کہ ظاہر میں اختیار ہے اور باطن میں جبر ہے۔ اور درحقیقت مسئلہ قضا و قدر اور بندہ کے با اختیار ہونے کا ایسا ہے کہ عقل اسمیں حیران ہے سوائے عجز و سکوت کے چارہ نہیں۔ بات وہی ہے جو اللہ کریم نے فرمائی لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ یعنی وہ مالک علی الاطلاق ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ یہ کام کیوں کیا بندے پوچھے جاوینگے۔ اس موقف اور مقام میں کھڑا ہونا اور سوال و جواب کرنا نہیں چاہیئے کہ پوشیدہ بہید ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کہ اہل طریقت کے استاد اور اہل حقیقت کے پیشوا ہیں فرماتے ہیں لَا جَبْرَ وَلَا قَدَرَ وَلٰکِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ مطلب حضرت امام کا یہ ہے کہ جبر فرقہ جبریہ کا مذہب ہے کہتے ہیں آدمی کو کچھ اختیار نہیں ہے اور اسکی حرکت جمادات کی حرکت کی طرح ہے۔ اور قدر فرقہ قدریہ کا مذہب ہے کہتے ہیں سب کام آدمی کے اختیار میں ہیں اور آدمی اپنے کام میں مستقل ہے اور اپنے افعال کا خالق ہے۔ پس حضرت ممدوح فرماتے ہیں یہ دونوں مذہب باطل ہیں اور افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ سچا مذہب توسط ہے جو مابین جبر اور قدر کے ہے۔

عقل اس توسط کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز اور حیران ہے اور فی الواقع یہ حیرانی اور سرگردانی بحث کرنے والوں کے واسطے ہے وہ لوگ عقل سے معتقدات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں

Marfat.com

اور جو چیز ان کی عقل میں نہ آوے اسکی تصدیق نہیں کرتے اور اسپر ایمان نہیں لاتے اور ہم ایمان والوں کو دعوی مذکور کے ثبوت پر دلیل قطعی کلام آلہی کافی ہے جسمیں موجود ہے کہ تمام کام اللہ کی قدرت اور اُسکے ارادہ سے ہوتے ہیں۔ اور باوجود اسکے طاعات اور معاصی کو بندوں کی طرف نسبت کرکے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ خدا اُن پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور فرمایا وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ نے پیدا کیا تمکو اور اُن کاموں کو جو تم کرتے ہو۔ ان دونوں آیتوں میں دونوں امر کا اثبات کیا پیدا کرنا اپنی نسبت تبلایا اور عمل کو بندوں کی طرف منسوب کیا لہذا ایمان لانا چاہیئے کہ دونوں حق ہیں اور اعتقاد کرنا چاہیئے کہ خدا کی طرف سے پیدا کرنا اور بندہ کی طرف سے عمل کرنا ہے ہاں اسکی حقیقت اور کنہہ ہمارے علم سے باہر ہے

دوسرے یہ کہ شریعت اور امر و نہی کا ثبوت اختیار کی فرع ہے لہذا اختیار کا قائل ہونا ضروری ہے اور قضا و قدر کا مسئلہ شارع علیہ السلام کے تبلانے سے معلوم ہوا ہے اور اختیار کا مسئلہ بھی شارع علیہ السلام سے معلوم ہوا جب دونوں شرع سے معلوم ہوئے پھر نزاع و جدال کسواسطے ہے دونوں پر ایمان لانا لازم ہے پس امر متوسط پر اعتقاد کرنا واجب ہوا اور فی الواقع اس مسئلہ میں خوض کرنا جہالت اور گمراہی کی نشانی ہے کوئی عمل اور کوئی حقیقت اسکی بحث پر موقوف نہیں عمل کرنا چاہیئے اور حقیقت کا جاننے والا اللہ ہے۔ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ عمل کرو ہر شخص آسان کیا گیا ہے اُس کام کیواسطے جسکے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر شارع علیہ السلام سے سنکر پھر تردد اور خلجان دل میں باقی رہے تو اُس سے بہتر کسی اور دین کا فکر کرنا چاہیئے (ونعوذ باللہ من ذلک) ایمان کی حقیقت تو یہی ہے کہ جب تو شارع علیہ سے کچھ سنے فوراً یقین لاوے اور اگر تو نے اپنی عقل پر ایمان کو موقوف رکھا ہے درحقیقت تو اپنی عقل پر ایمان لایا ہے شارع علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا۔ ہم کو اس مسئلہ (جبر و اختیار) کے اثبات[1]

بندوں کے افعال مخلوق خدا ہیں

قضا و قدر پر ایمان لانا واجب ہے

[1] مترجم کہتا ہے کہ منقذ الایمان میں مولانا رحیم بخش نے تفسیر فتح العزیز سے مسئلہ جبر و اختیار و قضا و قدر میں جو عبارت نقل کی ہو اُسکو یہاں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کام اس لئے کیا کہ ہماری تقدیر میں لکھا تھا وہ تقدیر کے حقیقت سے غافل ہیں قضا و تقدیر کے معنی یہ ہیں کہ علم اللہ تعالے کا بسیط ہے ذرہ ذرہ کو شامل ہے پس وہ روز ازل سے جانتا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت میں فلاں کام کریگا وہی اُس نے لوح محفوظ میں لکھدیا ہے اور وہی ہر شخص کی تقدیر ہے اگر وہ اس کام کا کرنے والا نہ ہوتا تو اللہ تعالے اُس کی تقدیر میں کیوں لکھتا جب تقدیر کے یہ معنی ہوئے تو اس سے ثابت ہوا کہ تقدیر آدمی کے افعال کے تابع ہے نہ یہ کہ اسکے افعال اسکی تقدیر کے تابع ہوں اب یہ جو کہتے ہیں کہ ہماری - باقی آئندہ

میں پہلے سے اِسی مسلک پر چلنا چاہیئے تھا اور اس رسالہ کی توسط وضع بھی اسی مسلک پر ہی مگر کیا کیا جاوے قلم کی طبیعت میں طغیانی ہے۔ خدا تعالےٰ ہمکو خطا اور خلل سے بچاوے اور ہمیں ہم پر نہ چھوڑے

وَاللّٰہُ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اللہ جسکو چاہے گمراہ بناوے اور جسکو چاہے ہدایت کرے۔ پیدا کرنے والا ہدایت اور گمراہی کا بندے میں خدا تعالےٰ ہے جسکو چاہے گمراہ کرے اور جسکو چاہے سیدھے راہ پر لاوے۔ جسکو وہ گمراہ کرے کوئی اُسکو راہ درست پر نہیں لا سکتا اور جس کو وہ ہدایت کرے اسکو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ قرآن اور حدیث دونوں سے یہی ثابت ہے ہاں قرآن شریف اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہدایت کی نسبت کرتے ہیں۔ شیطان اور بتوں کی طرف گمراہی کی نسبت کرتے ہیں۔ ہمکو دونوں پر ایمان اور دونوں پر اعتقاد رکھنا چاہیئے۔

اور در اصل ہدایت کے دو معنی ہیں ایک سیدھا راستہ بتلانا دوم سیدھے راستہ سے مقصود تک پہنچا دینا۔ یہ دوسرے معنی اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں اور ہدایت کے پہلے معنی قرآن شریف اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں ثابت ہیں کہ دونوں سیدھا راستہ بتلاتے ہیں مگر سیدھے راستہ سے مقصود تک پہنچانا یہ اللہ ہی کا کام ہے پس اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ اور وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ دونوں مطابق ہو گئے۔ یعنی اِنَّکَ لَاتَھْدِی میں (جسکے معنی یہ ہیں کہ اے نبی آپ ہدایت نہیں کر سکتے) نفی مقصود تک پہنچانے کی ہے اور وَاِنَّکَ لَتَھْدِی میں (جسکے معنی یہ ہیں کہ اے نبی آپ ہدایت کرتے ہیں) اثبات راستہ بتانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) تقدیر میں لکھا تھا جو ہم سے یہ کام ہوا وہ تقدیر کے معنی اُلٹے سمجھے ہیں کہ اپنے افعال کو تقدیر کے تابع سمجھتے ہیں اور یہ اُلٹی تقدیر انکو سزا سے نہیں بچا سکتی اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی حاکم اپنے دو نوکروں کو دو کاموں کیلئے بھیجے اور اپنی قیافہ شناسی سے معلوم کر کے اپنے مصاحبوں سے کہدے کہ ان دونوں میں فلان آدمی تو دیانت دار معلوم ہوتا ہے اسے جس کام کو بھیجا ہے ضرور سر انجام دیگا اور وہ دوسرا آدمی خائن معلوم ہوتا ہے خیانت کریگا اور کام کو بگاڑے گا۔ پھر وہ دونوں آدمی ایسا ہی کریں تو قصور مند اگر یہ دلیل پیش کرے کہ آپ نے تو پہلے ہی کہدیا تھا کہ یہ خائن ہے اِس لئے میں نے یہ کام بگاڑا اور خیانت کی نہ آپ مجھکو خائن کہتے نہ میں ایسا کرتا میرا کیا قصور ہے تو سزا سے نجات کسی طرح نہیں پا سکتا کیونکہ حاکم کہیگا میں نے تیرا قیافہ معلوم کر کے اپنے مصاحبوں سے تیرا یہ حال کہدیا تھا تجھے خیانت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس سے تجھکو منع کیا تھا کہ ایسا کرے گا تو سخت سزا پاوے گا اس وعدہ کے بموجب اب تو واجب السزا ہے اس تقریر کی رو سے جب آدمی کے فعل اسکی تقدیر کے تابع نہ ہوئے تو وہ اپنے اختیار میں مجبور نہ ہوا ۱۲۔ مترجم کہتا ہے۔ حضرت علامہ مصنف تفسیر فتح العزیز نے سمجھانے کے واسطے یہ تقریر بیان فرمائی اس سے یہ مطلب نہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ بلکہ بنظر غور اسی سے واضح ہو گیا کہ خالق افعال عباد اللہ ہی ہے بندہ کاسب اور وہ خالق ہی نہ بالکل مختار ہے اور نہ بالکل مجبور ہے واللہ اعلم ۱۲۔

Marfat.com

اور طریق مستقیم پر چلانے کا ہے۔ پیغمبر کو ہدایت کا سبب اور شیطان کو گمراہی کا سبب بنایا ہے۔ اور در حقیقت سب اللہ کی طرف سے اللہ ہی ہدایت کرنے والا اور وہی توفیق کا عطا کرنے والا ہے
وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْکَافِرِ وَالْفَاسِقِ وَتَنْعِیْمُ اَهْلِ الطَّاعَةِ بِمَا یَعْلَمُهُ اللّٰهُ وَیُرِیْدُهٗ وَسُوَالُ مُنْکَرٍ وَّنَکِیْرٍ حَقٌّ اور عذاب قبر کا کافر اور فاسق کے واسطے اور راحت و آرام فرمانبردار لوگوں کیواسطے جس طرح اللہ کے علم میں ہے اور جس طرح اُس نے ارادہ کیا اور قبر کے اندر منکر و نکیر کا بندہ سے سوال کرنا یہ سب حق ہے۔

اہل سنت و جماعت کے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیانی واسطہ ہے اس عالم میں جس طرح خدا چاہے اور اسکے علم میں جس طرح ہی کافر اور فاسق عذاب اور تکلیف میں رہینگے اور مومن و فرمانبردار عیش و نعمت میں رہینگے اور منکر و نکیر دو فرشتے ہیں عظیم الجثہ ہیبتناک کالی صورت نیلی آنکھیں قبر میں آتے ہیں اور بندہ سے اُسکے پروردگار اور رسول اور دین کی بابت سوال کرتے ہیں اگر اللہ کریم کی توفیق اور تعلیم سے انکے سوال کا جواب بندہ نے صحیح دیا تو اسپر آرام و راحت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ نئی دلہن کی طرح آرام سے سوتا ہے اور اسکے حق میں قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے۔ اور اگر (معاذ اللہ) جواب ٹھیک نہ دیا محنت و عذاب میں گرفتار ہوا اور قبر اُسکے حق میں دوزخ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہو جاتی ہے۔

جب آیات و احادیث سے عذاب و ثواب عالم برزخ ثابت ہے اسپر ایمان لانا واجب ہی اور اسکی کیفیت علم الٰہی کے سپرد کرنی چاہیئے خواہ بدن کو زندہ کرکے یہ عذاب ہو یا مقابلہ میں روح کے ہو یا کسی اور طرح ہو اسکا علم قادر مطلق کو ہے جس طرح عذاب دے یا مومن کو نعمتوں میں رکھے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ گنہگاروں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں اُن کا نام منکر و نکیر ہے اور فرمانبرداروں کے پاس جو فرشتے آتے ہیں اُنکا نام مبشر و بشیر ہے۔ لیکن یہ قول غریب ہے اور اسکا ذکر احادیث میں کم ہے اور کہتے ہیں سوال کرنے والے فرشتوں کی جماعت زیادہ ہے بعض کا نام منکر بعض کا نکیر ہے ہر قبر میں دو فرشتے ان ناموں کے آتے ہیں جیسا نامہ اعمال

عالم برزخ میں کفار و گنہگاروں کو عذاب اور مطیعوں کو راحت اور سوال منکر و نکیر حق ہے

Marfat.com

لکھنے کیواسطے ہر ایک بندہ کیواسطے دو فرشتے مقرر ہیں اور ممکن ہے کہ دو ہی فرشتے ہوں اور متعدد مقامات میں ایک ہی وقت متمثل ہو جاتے ہوں واللہ اعلم۔

صاحب خلاصہ بزازی نے اپنے فتاوےٰ میں لکھا ہے کہ سوال بعد دفن کرنے میت کے ہوتا ہے بلکہ آدمیوں کے غائب ہونے کے بعد اور جو میت کو تابوت میں دوسری جگہ منتقل کرنیکی نیت سے رکھیں اس سے سوال نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی کو درندے نے کھا لیا ہے درندے کے پیٹ میں اس سے سوال ہوتا ہے۔ اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے سوال نہیں ہوتا اور اگر سوال ہوتا ہے بطور تعظیم اور بزرگی کے توحید اور امت کے احوال سے ہوتا ہے و مومنین کے بچوں میں اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں کہ ان سے سوال ہوتا ہے مگر فرشتے سوال کے بعد انکو تلقین کر دیتے ہیں کہ کہہ اللہ تعالے میرا رب ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرے رسول ہیں اور اسلام میرا دین ہے۔ یا اللہ تعالے اُنکو الہام کرتا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو تلی میں الہام کیا۔

اور مشرکین کے بچوں میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے توقف کیا بسبب تعارض دلیلو کے اور اُن کو عذاب ہونے یا ثواب ملنے میں بھی علماء نے توقف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں جاوینگے بعض کہتے ہیں بہشت میں جاوینگے۔ محمد بن حسین کہتے ہیں کہ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ حق تعالے کسی کو بے گناہ عذاب نہیں کریگا۔ جنوں سے بھی سوال ہوگا کیونکہ دلائل سوال ہونیکے عام ہیں جن و انسان دونوں کو شامل ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان جنات کو ثواب ملنے میں توقف کیا ہے اور کافر جن باتفاق عذاب کئے جاوینگے۔ امام ابن عبد البر نے کہا ہے کہ کافر مجاہر یعنی جو علانیہ کافر ہے سوال نہیں ہوتا بلکہ بغیر سوال کئے اسکو عذاب دیتے ہیں البتہ منافق سے سوال قبر میں ہوتا ہے اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ شہید اور مرابط فی سبیل اللہ (یعنی جو جہاد کے موقعہ پر پاسبانی کی خدمت بجا لاوے) اور جو شب جمعہ یا روز جمعہ کو وفات پاوے اور جو ہر رات سورہ ملک پڑھا کرے اور جو استسقا یا اسہال کی بیماری میں مرے یہ سب مستثنیٰ ہیں

۱؎ مترجم کہتا ہے آیہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ سے جنات کا انسان کی طرح مکلف ہونا ثابت ہے اور جملہ مکلفین کی نسبت فرمایا ہے کہ اُن سے سوال ہوگا کما قال لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ پس معلوم ہوا کہ جنات سے بھی سوال ہوگا ۱۲

ان سے قبر میں سوال نہیں ہوگا کہ اس باب میں احادیث وارد ہیں۔ امام ترمذی اور ابن عبد البر نے یہ بھی کہا ہے کہ قبر کا سوال اس امت عظمیٰ کیواسطے مخصوص ہے۔ کہتے ہیں حکمت اسمیں یہ ہے کہ عالم برزخ میں گناہوں کی آلایش سے پاک ہوکر قیامت کے دن تمام گناہوں سے پاک اُٹھیں شرح عقیدہ طحاوی میں بھی اسی طرح ہے۔ اور تعمیم عذاب قبر کہ سب کو ہے یا اس مسئلہ میں توقف کہ پہلوں کو ہے یا نہیں۔ دونوں مذہب منقول ہیں واللہ اعلم۔

اسی امت سے سوال قبر اور اسکی حکمت پہلوں سے

حبان کی حدیثوں میں آیا ہے کہ گنہگار کی قبر میں ستر ستر بچھو اور اژدہا ایسے ہونگے کہ اگر اُن میں سے ایک بھی دنیا میں سانس لے یعنی پھنکار مارے تمام دنیا اور دنیا کے درخت جلکر خاک ہوجائیں اور درحقیقت وہ سانپ اور بچھو بُرے کاموں اور گناہوں اور تعلقات دنیاوی کی صورتیں اس عالم میں متشکل ہوگئی ہیں۔ سانپ بچھو بنکر کاٹتے ہیں۔ ستر کی تعداد یا بغرض کثرت ہی یعنی سانپ بچھو بہت ہونگے یا شارع نے اصول صفات کی گنتی پر اطلاع دی ہے کہ بُری صفتیں اور گناہوں کی جڑیں دنیا میں ستر ہیں یعنی جس نے سب قسم کے گناہ کئے اور سب بُری صفتیں اپنے اندر پیدا کیں اس کی قبر میں پورے ستر ہونگے اور جس نے کم کئے اسکے واسطے کم ہونگے۔

اسپر اور اسکی مانند اور امور آخرت پر مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے جنکی خبر دی ہی ایمان اور اعتقاد کرنے کے دو راستہ ہیں ایک یہ کہ سانپوں اور بچھوؤں کا وجود ظاہر میں ہے اور کاٹنا انکا میت کو واقعی ہے لیکن ہم ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ان آنکھوں سے ہر شخص عالم ملکوت کی باتیں نہیں دیکھ سکتا مگر (جو بوجہ صفائی باطن) عالم ملکوت تک پہنچ گئے ہیں وہ دیکھ لیتے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام اور بعض اولیاء چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے تھے آپ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا تھا مگر جسکو اللہ تعالیٰ نے چاہا دکھا دیا۔ اور یہ آپکا دیکھنا یا اور کو دکھانا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے خواہ اجسام ہوں یا ارواح ہوں اگر پہاڑ سامنے ہو اور آنکھ کھولکر دیکھے اور خداوند کریم کو دکھلانا منظور نہ ہو تو نہیں دیکھ سکتا اور اگر خداوند کریم کو دکھلانا منظور ہو ارواح کو دیکھ سکتا ہے۔ ایمان کا امتحان اور اعتقاد کی صحت اور احادیث کی پیروی اسی راستہ کے اختیار کرنے میں ہے۔

امور آخرت پر بقول مخبر صادق ایمان لانا واجب ہے

اور دوسرا راستہ جو ادنےٰ درجہ کا ہے وہ یہ ہے کہ اعتقاد کرے کہ دیکھنا ان

135197

سانپ اور بچھوؤں کا ادران کا اذیت پہنچانا خواب میں دیکھنے کے مانند ہے کہ سونے والا دیکھتا ہے اور تکلیف اٹھاتا ہے اور دیکھنے والوں کو ظاہر میں کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر سونے والے کے حق میں وہ موجود ہیں۔ اگرچہ مقصود اس دوسرے راستہ سے بھی حاصل ہے لیکن ایسے اعتقاد والا ضعیف الایمان ہے اور پہلے راستہ کے موافق اعتقاد رکھنے والا پختہ اور سلامتی کے قریب ہے واللہ الموفق۔

وَالْبَعْثُ حَقٌّ پروردگار تعالےٰ کا قبروں سے مردوں کو اٹھانا اور مخلوق کو دوبارہ زندہ کرنا حق اور ثابت ہے تمام قرآن شریف اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے۔ دین اسلام اور مسلمانی کا مدار اسی پر ہے جس ذات پاک نے اول ہی عدم صرف اور نابود محض سے تمام عالم کو پیدا کیا وہ یقیناً قادر ہے کہ دوبارہ عالم کو زندہ کرے اور وجود میں لاوے وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اسکو دوہرا ویگا اور وہ آسان ہے اسپر۔ اور درحقیقت آدمی کا بیج کہ اسکے پیدا ہونے اور بڑھنے کا سبب ہے جسکو عَجْبُ الذَّنَبْ یعنی ریڑ کی ہڈی کہتے ہیں اسکو اجزا زمین میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ جسطرح گیہاں اور درختوں کا بیج ریت مٹی میں جنگلوں میں دبا ہوا رہتا ہے اور برسات کا مینہہ برستے ہی یک بارگی اُگ جاتے ہیں اسی طرح تمام آدمی اور تمام خلائق پیدا ہو جاوینگے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن آسمان سے مینہہ برسیگا اسکے سبب سے تمام انسان وحیوانات اور پرندے اور حشرات الارض پیدا ہو جاوینگے اور اللہ انصاف فرماویگا اور ایک کا بدلہ دوسرے سے دلاویگا۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں حدیث ہے کہ قیامت کو تمام خلائق ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے یہانتک کہ دنیا میں اگر سینگ والی بکری نے بے سینگ والی کو مارا ہوگا۔ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹی کو ناحق ستایا ہوگا یہ بھی ایک دوسرے سے قصاص لینگے جب باوجود تمیز اور تکلیف نہ ہونے کے جانوروں میں قصاص ہوگا تو بعض علماء نے اسی پر قیاس کرکے کہا ہے کہ ایک لڑکے کا بھی دوسرے لڑکے سے بدلہ دلایا جاوے گا اور بعد بدلہ دلانے کے تمام حیوانات معدوم کر دیئے جاوینگے اور جن حیوانات کو ذبح کرکے کھایا ہے وہ بہشت کی خاک بنائے جاوینگے اور یہ مرنا اور زندہ ہونا اور قبروں سے اُٹھنا قیامت کو صور کے نفخوں سے ہوگا پہلا نفخہ قیامت کے شروع میں ہوگا کہ اس سے تمام اہل زمین وآسمان کے دلوں میں دہشت اور ہول پیدا ہو جاوے گا

خوف اور وحشت چھا جاویگی اور تمام جاندار مر جائینگے اور ہلاک ہو جاوینگے جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا
یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ
اُس دن پھونک ماری جاویگی صور میں پس گھبرا جاوینگے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں
مگر جسکو اللہ چاہے دوسری جگہ فرمایا وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ
اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ اور پھونک ماری جاویگی صور میں پس بیہوش ہو جاوینگے جو آسمان میں ہیں
اور جو زمین میں ہیں مگر جسکو اللہ چاہے۔

دوسرا نفخہ مردوں کو قبروں سے اٹھانے اور زندہ کرنے کیواسطے ہوگا کہ اُس کے
ہوتے ہی مُردے قبروں سے نکلینگے اور منتشر ہونگے یعنی میدان حشر کی طرف دوڑینگے چنانچہ
اسی آیہ کے آگے فرمایا ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ پھر صور پھونکی جاویگی دوبارہ
پس ناگہاں وہ کھڑے ہو کر دیکھتے ہونگے۔ اور جگہ فرمایا وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ
اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ اور صور پھونکی جاویگی پس وہ دفعۃً قبروں سے پروردگار کی طرف دوڑینگے
اور دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوگا۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ
میں کلمہ مَنْ عام آنے سے معلوم ہوا کہ اس فزع اور صعق یعنی گھبراہٹ اور بیہوشی کا اثر تمام
اہل آسمان اور اہل زمین کو پہنچیگا۔ جن ہوں یا آدمی یا فرشتے اور اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ جو استثنا
کیا ہے اسمیں جبرئیل ومیکائیل واسرافیل وعزرائیل علیہم السلام اور حوریں اور فرشتے دوزخ
کے محافظ اور جنت کے نگہبان اور عرش عظیم کے اٹھانے والے اور شہید شامل ہیں کہ اُن کو
بیہوشی نہیں ہوگی۔

قیامت کبھی نفخہ ثانیہ کے زمانہ پر اطلاق کرتے ہیں اور کبھی ابتدا اماتت یعنی نفخہ اوّل کے
وقت سے جنت میں داخل ہونے تک کے سارے زمانہ کو قیامت کہتے ہیں۔

اور فی الواقع اگر نظرِ عبرت سے دیکھا جاوے ہر روز یہ حال آدمیوں پر گذرتا ہے اور
قیامت سے غافل ہیں اور شارع علیہ السلام کی خبروں میں شک کرتے ہیں۔ مثلاً جب شام
ہوتی ہے اندھیرا ہو جانے سے سب جانوروں اور آدمیوں پر ہول اور خوف اور دہشت
غالب ہوتی ہے اپنے اپنے گھروں اور گھونسلوں اور کونوں میں گھس جاتے ہیں اور

دوسرا نفخہ مردوں کو قبروں سے اٹھانے اور زندہ کرنے کیواسطے ہوگا
دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوگا

رات میں سو جاتے ہیں بحس و بیحرکت ہو جاتے ہیں گویا ہلاک ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ یہ حال نفخہ اولی کے اثر کی مانند ہے۔ جب صبح ہوتی ہے دفعۃً بے اختیار سب بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور ادہر اُدہر چلنے پھرنے لگتے ہیں یہ حالت نفخہ ثانیہ کے اثر کی مانند ہے فَسُبْحَانَ الْقَادِرِ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ پس پاک ہے قدرت والا کہ اپنی قدرت کاملہ سے جلاتا ہے اور مارتا ہے اور قیامت کو اُسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

وَالْوَزْنُ حَقٌّ۔ یعنی بندوں کے اعمال کا قیامت کے دن تولا جانا حق ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کا علم سب چیزوں کو محیط ہے لیکن اس تولنے میں بہت حکمتیں ہیں ایک حکمت تو یہی ہے کہ بندوں کا حال خود اُن پر ظاہر ہو جاوے اور حکمتیں جو ہونگی اُسکا علم اللہ کو ہے وہی خوب جانتا ہے اسپر ایمان لانا چاہیئے اور کیفیت تولنے کی اور ترازو کی اللہ تعالےٰ کے علم کے سپرد کرنی چاہیئے اسیقدر ایمان لانے کے واسطے کافی ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ترازو حقیقی ہے اور اُسکے دو پلڑے ایک ڈنڈی اور زبان ہے کہ معلوم ہوتی ہے اور ہر پلڑا اُسکا زمین و آسمان کی مقدار سے زیادہ ہے۔ حضرت سلمان صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر زمین و آسمان اور جو کچھ انمیں ہے ایک پلڑے میں رکھیں تو سما جاوے نیکیوں کا پلڑا عرش کے داہنے طرف جنت کے سامنے ہے اور بدیوں کا پلڑا عرش کے بائیں طرف دوزخ کے مقابل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ترازو سے مراد ایک چیز ہے جس سے اعمال کا اندازہ معلوم ہوگا۔ غرض کسی طرح ہو اصل مقصود قیامت کے دن عدل کا ظاہر فرمانا ہے میزان گویا اسکی تمثیل ہے۔ یہ کلام بعض علماء کا درجہ تاویل میں ہے اور اصل وہی ہے جیسا کہ احادیث میں آیا کہ میزان حقیقۃً موجود ہے اسی پر ایمان لاویں اور عقل کے فریب میں آکر ایمان میں خلل نہ ڈالیں

اور جسکو تولینگے یا وہ اعمال ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنی قدرت سے نیکیوں کی صورتیں نورانی اور بدیوں کی صورتیں ظلمانی اجسام بنا دیگا اور وہ تولے جاوینگے۔ یا اعمال کے صحیفے تولے جاوینگے کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے کاموں کے موافق انکو ہلکے اور بھاری کر دیگا[۱]۔ بطاقہ کی حدیث سے

---

[۱] چنانچہ کلام الٰہی میں موجود ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ یعنی جس کے وزن بھاری ہوئے وہ عیش پسندیدہ میں ہے اور جس کے وزن ہلکے ہوئے اس کی جگہ دوزخ ہے ۱۲۔

بندوں کے اعمال کا تولا جانا حق ہے

Marfat.com

صحیفوں ہی کا تولا جانا ثابت ہے۔ بطاقہ کاغذ کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جسمیں کسی سامان کی قیمت لکھیں اور یہاں یہ مراد ہے کہ اگر کسی کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوا سمیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ایک کاغذ پر لکھکر رکھدینگے وہ پلڑا بہت بھاری ہو جاویگا اور بعض علماء نے دونوں حدیثوں میں تطبیق دیکر یہ قرار دیا ہے کہ اعمال اور صحائف دونوں تولے جائینگے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ رکھیں گے ہم عدل کی ترازوئیں قیامت کے دن۔ اس آیہ شریفہ میں موازین جمع کا صیغہ لائے ہیں یہ میزان کی جمع ہے سو جمع کا لانا یا باعتبار ترازوؤں کے متعدد ہونے کے ہے کہ ہر امت یا ہر بندہ یا ہر عمل کے واسطے ترازو علیحدہ ہوگی یا باعتبار تعدد اوزان کے ہے یا اس ترازو کی عظمت اور کثرت اجزاء کے سبب جمع کا لفظ فرمایا۔

اور اُس شخص کے اعمال کا تولنا جس نے ایک نیکی نہ کی ہو یا ایک بدی اس سے سرزد نہ ہوئی ہو واسطے اظہار رسوائی اور اسکی نافرمانی کے یا واسطے اظہار شرافت اور کرامت کے ہوگا۔ کافروں کے اعمال تولنے میں یہی حکمت ہوگی ورنہ کفار کے پاس نیکی کہاں اور ممکن ہے کہ حسنات کا ہونا کافر کے واسطے باعث تخفیف عذاب ہو۔ کہتے ہیں کہ آخرت کی میزان کا ہلکا ہونا اور بھاری ہونا دنیا کی ترازو کے خلاف ہوگا یعنی وہاں وہ پلڑا بھاری ہوگا جو اوپر کو اٹھہ جاویگا اور وہ ہلکا ہوگا جو نیچے کو جھک جاویگا لیکن بطاقہ کی حدیث اسکا رد کرتی ہے واللہ اعلم۔

وَالْكِتٰبُ حَقٌّ اور وہ کتاب کہ اسمیں نیکیاں اور نافرمانیاں بندوں کی لکھی ہیں حق اور ثابت ہے مومنوں کو انکی کتابیں یعنی اعمال نامے انکے داہنے ہاتھ میں دیئے جاوینگے اور کافروں کے بائیں ہاتھ میں انکی پشت کے پیچھے سے دیئے جاوینگے اسطرح کہ بایاں ہاتھ پشت سے چمٹا ہوا ہوگا یا بایاں ہاتھ سینہ کی طرف سے پشت کی طرف کیا گیا ہوگا اور یہ سب مومنوں اور کافروں میں تمیز ہونے کے لئے ہوگا کہ جس سے مومن کی عزت ہو اور کافر کی رسوائی اور ذلت ظاہر ہو۔ یہ مومن فرمانبردار اور کافر کا حال بیان ہوا۔ مومن گنہگار کے حال میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں داہنے ہاتھ میں دینگے لیکن بعد سزا کے اور دوزخ میں سے نکلنے کے۔ بعض کہتے ہیں داہنے ہاتھ میں دینگے مگر پڑھ نہیں سکے گا جب دوزخ سے نکلیگا تو پڑھیگا۔ بعض کہتے ہیں نہ داہنے ہاتھ میں

بندوں کے اعمال نامے تولے جائیں گے

Marfat.com

دینگے اور نہ بائیں ہاتھ میں دینگے بلکہ سامنے سے دینگے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ میں نہیں دینگے بلکہ اسکا اعمال نامہ پڑھکر سنا دینگے۔ اور حق یہ ہے کہ اس باب میں کوئی نص صریح موجود نہیں اسواسطے عاصی کا حال موقوف ہے اور جسقدر یہ احتمالات بیان کئے گئے بطریق اجتہاد و استنباط کے بیان کئے گئے واللہ اعلم۔

وَالْحِسَابُ حَقٌّ مقصود کتاب یعنی اعمال نامہ سے حساب ہے جب کتاب حق ہے حساب بھی حق ہے۔

وَالسُّوَالُ حَقٌّ اور پوچھنا اللہ تعالےٰ کا بندوں سے کہ دنیا میں کیا کیا کام کئے اور کونسی طاعت ادا کی اور کس معصیت میں مبتلا ہوئے یہ سب حق ہے۔ فرشتوں سے بھی حساب لیا جاویگا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اوّل جبرئیل امین سے پوچھا جاویگا کہ وحی کی امانت پیغمبروں کو کس طرح پہنچائی اور بعض احادیث میں ہے کہ اوّل لوح محفوظ سے حساب ہوگا اسکو حاضر کرینگے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے کانپتی ہوگی حکم ہوگا اے لوح تو نے جو جبرئیل کو علوم پہنچائے تیرا گواہ کون ہے عرض کریگی میرا گواہ اسرافیل ہے اسرافیل حاضر کئے جاوینگے اور سب کے بدن پر اللہ تعالےٰ کی عظمت اور اسکے سوال کی ہیبت سے لرزہ پڑا ہوا ہوگا پھر پیغمبروں کو حاضر کیا جاوے گا اور اُن سے رسالت کے ادا کرنے اور اس امانت کے پہنچانے کا سوال ہوگا (پھر سب سے) عبادات میں اوّل نماز کا سوال ہوگا اور معاملات میں خون کا سوال ہوگا۔ اور نیکیاں ظالم کی مظلوم کو دیجاوینگی اور بدیاں مظلوم کی ظالم پر رکھی جاوینگی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دانگ[1] کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں دیجاوینگی۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ اگر بالفرض ایک مرد کے پاس ستر پیغمبروں کا ثواب ہو اور نصف دانگ کسی کا اُسکے ذمہ ہو تو جبتک اپنے دشمن کو راضی نہیں کریگا بہشت میں نہیں جا سکتا۔

(عجب بات ہے) کہ ایسا دن درپیش ہو اور (نام کا خواجہ) عیش و عشرت میں مصروف ہو اور کہے جو کچھ میں نے پایا ہے کسی نے نہیں پایا اور جو میں سمجھا ہوں کوئی نہیں سمجھا عوام آدمی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور علماء بحث مباحثہ میں گرفتار ہیں اور صوفیہ شیخی اور

[1] دانگ چھ رتی کا وزن ہے ۱۲۔

Marfat.com

ٹہائی و فخر میں اور حقیقت خوانی میں ہیں عالم آخرت سے بالکل بے خبر ہیں نہیں خیال کرتے کیا ہوگا اور کیا دن پیش آنے والا ہے تمام دن باتیں بنانے میں مشغول رہتے ہیں آخرت اور موت کا کچھ فکر نہیں کرتے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اے انسان اُٹھو خدا تعالےٰ کی رحمت کی طرف دیکھہ کہ اگر وہ چاہیگا مدعیوں کو اس طرح راضی کر دیگا کہ اوّل انکو جنت دور سے دکھاویگا اور فرماویگا اسکو کون خرید کرتا ہے وہ عرض کریں گے اے خداوند اسکو کون خرید سکتا ہے اور اتنی قیمت کس کے پاس ہے کہ بہت ہے فرمان ہوگا تم خرید سکتے ہو اور اسکی قیمت تمہارے ہاتھہ میں ہے اگر یہ حق اپنا جو اس بہائی مسلمان کے ذمہ ہے معاف کر دو اور اسکو بری الذمہ کر دو تو اسکے عوض تم کو جنت ملجاوے بس وہ راضی ہو جاوینگے اور بخشدینگے۔ اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ سوال کے وقت اللہ تعالےٰ مومنوں کو اپنی رحمت و مغفرت کے پردے میں ڈہانک لیگا اور اُن سے اسطرح پوچھے گا کہ کسی کو خبر نہ ہوگی اور فرماویگا جس طرح دنیا میں ہم نے تمہارے گناہوں کو چھپایا آج اپنی رحمت سے بخشدیا اور نیکیوں کے اعمال نامے انکے ہاتھہ میں دے دیگا۔ کافروں اور منافقوں کو رسوا کریگا منادی آواز دیگا۔ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ آگاہ ہو جاؤ ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہے۔

سُبْحَانَ ذِی الْعَدْلِ الْقَوِیِّ وَالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ پاک ہے اللہ قوی عدل والا اور بڑے فضل والا اگرچہ اُسکا فضل اپنا کام کرتا ہے لیکن اسکے عدل سے خوف ہے۔ اگر در دہد یک صلائے کرم ٭ عزازیل گوید نصیبے برم ٭ جیسے یہ بیت پڑہی دوسری بھی پڑہ۔ تہدید اگر بر کشد تیغ حکم ٭ بمانند کرد بیان صم بکم ٭ ایک جگہ قرآن شریف میں فرمایا اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ آگاہ ہو تحقیق اللہ کے دوستوں کو خوف نہیں اور نہ وہ غم کرینگے۔ دوسری جگہ فرمایا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ خداوند کریم نہیں پوچھا جاتا اُس کام سے جو وہ کرتا ہے اور بندے پوچھے جاوینگے۔ سوائے عاجزی اور بیچارگی کے اور کچھ ہم نہیں کر سکتے ہم کو دونوں پر ایمان لانا چاہیئے باقی مالک اور حاکم وہی ہے واللّٰہ علی کل شیءٍ قدیر اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حوض کوثر

وَالْحَوْضُ حَقٌّ اور حوض کوثر حق اور ثابت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے دن حوض کوثر عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ اور آیہ

Marfat.com

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی تفسیر میں علماء نے اسی حوض کوثر کا ذکر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسول ہم نے تمہیں حوض کوثر دی ہے اسکی مسافت ایک مہینے کے راستہ کے برابر ہے اسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اسکی خوشبو مشک سے بہتر اور شہد سے زیادہ شیریں برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے اسپر جو کوزی رکھے ہیں وہ گنتی میں آسمان کے تاروں سے زیادہ ہیں اور روشنی وچمک میں بہتر ہیں جو شخص ایک دفعہ اُس حوض کا پانی پئیگا کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور اُس حوض کا طول احادیث میں مختلف ہے اور اسکا سبب مخاطبوں کے احوال کی رعایت ہے چنانچہ یمن والوں سے فرمایا صَنْعَاءَ اِلٰی عَدَنٍ یعنی حوض کوثر کا طول صنعاء شہر یمن سے عدن تک ہے شام والوں سے اور الفاظ میں فرمایا۔ پس ہر شخص کو جو مسافت معلوم تھی اور اسکی زبان میں مشہور تھی اسکو وہی بتلائی اور بعض احادیث میں تحدید زمانہ کے ساتھ بھی بیان ہوئی ہے مثلاً جیسا کہ گذرا کہ اسکا طول ایک مہینے کے راستہ کے برابر ہے حاصل معنی بیان کرنا حوض کی وسعت اور عظمت کا ہے۔

کہتے ہیں ہر پیغمبر کیواسطے ایک حوض ہوگا موافق انکے مرتبہ کے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں دونوں کا نام کوثر ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ حوض کوثر کے ساقی ہونگے۔ آج کے دن جو انکی محبت سے سیراب اور انکی زیارت کا پیاسا نہیں اس حوض میں سے اسکو پانی ملنا دشوار ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسکے دل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت نہیں ہوگی حوض کوثر کے پانی کا ایک قطرہ اسکو نہیں دونگا۔

وَالصِّرَاطُ حَقٌّ اور پل صراط حق ہے حق تعالےٰ قیامت کے دن دوزخ کی پشت پر ایک پل رکھیگا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور تمام خلقت کو حکم فرماویگا کہ اسپر سے گذریں پس بہشتی اسپر سے گذر کر بہشت میں داخل ہونگے کوئی چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گذریگا بعض تیز ہوا کی مانند۔ بعض تیز گھوڑے کی طرح۔ بعض اس سے کم۔ غرض ہر ایک کا پل صراط پر سے عبور کرنا اسکے دنیا میں اتباع اور ایمان کے موافق ہوگا۔ اگر دنیا میں صراط مستقیم اسلام پر پختہ رہا تو اس پل صراط پر سے حسب درجہ خود بآسانی گذر جاویگا۔ اور دوزخی پہسلکر دوزخ

میں گرینگے۔ اور قرآن شریف کی اس آیہ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا سے تو یہ ظاہر ہے کہ پل صراط پر سے عبور کرنا اور گذرنا عام ہے۔ تمام مخلوق کو یہانتک کہ انبیا اور سردار انبیار صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین سب پل صراط پر سے کہ دوزخ کی پشت پر ہے گذرینگے۔ بعض عشاق نے کہا ہی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پل صراط پر سے گذرنے میں یہ حکمت ہے کہ بعض گنہگار جو بدقسمتی سے دوزخ میں گرفتار ہونگے آپکا جمال باکمال اُن کے ایام فراق کی غمگساری کا سبب ہوگا۔

اور ایک روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیۃ کے عموم سے مخصوص ہیں آپ کھڑے ہوئے دیکھتے ہونگے سب آپ کے سامنے سے گذرینگے اور بیشک ایسا ہی لائق ہے اگر آپ آگ پر سے گذریں سب گلستان ہو جاوے جب مومن کے گذرنے سے آگ فریاد کریگی اور کہیگی جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ اَطْفَاءَ لَهَبِیْ اے مومن جلدی میرے اوپر سے گذر جا تیرے ایمان کے نور نے میرا شعلہ بجھا دیا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کہ نور الانوار مومنین ہیں آپکے سامنے آگ کی کیا حقیقت ہے کہ ٹھیر سکے آپکی نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشانی میں کیا کام کیا اور کس طرح آگ کو گلزار بنا دیا اور جب بے واسطہ خود نور الانوار موجود ہو تو کیا کچھ اثر ہوگا۔

وَالشَّفَاعَةُ حَقٌّ یعنی اللہ تعالے سے گنہگاروں کیواسطے مغفرت چاہنا (پیغمبروں کا اور اولیار کا اور نیکوں اور علمار کا اور فرشتوں کا کہ انکو بارگاہ الٰہی میں عزت و آبرو اور عرض معروض کرینکی مجال حاصل ہے) حق ہے۔ اوّل دروازہ شفاعت کا حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہلاوینگے جس سے معلوم ہو جاویگا کہ بارگاہ الٰہی میں حضور کا کسقدر درجہ اور کتنی آبرو ہے اور معلوم ہو جاویگا کہ یہ دن خاص آپ ہی کے واسطے ہے اور آپکا مرتبہ آپ ہی کے واسطے ہی اَللّٰھُمَّ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ لَنَا اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کے طفیل سے ہمارے گناہ معاف کردے۔ جب حشر کے میدان میں تمام اہل عالم دوزخ کے خوف اور دہشت سے بیقرار اور حیران ہونگے تو اس اضطراب اور بیقراری میں آرزو کرینگے کہ کوئی ہمارا شفیع ہووے جو اس عذاب سے بچا دے اور ہمارے اس درد کی دوا کرے۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس آوینگے اور کہینگے کہ آپ سب آدمیوں کے باپ ہیں اللہ تعالے نے آپکو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور سب چیزوں

شفاعت حق ہے

Marfat.com

کے نام آپکو سکھائے آج ہم کو سخت دن پیش آیا ہے ہماری شفاعت کیجئے آدم صفی اللہ کہینگے کہ اِس مقام پر کھڑا ہونا اور دم مارنا میرا کام نہیں ہے اس لئے کہ میں نے اللہ تعالےٰ کا قصور کیا اور درخت ممنوع کو کھالیا اس شرمندگی سے میں اس لائق نہیں رہا۔ شاید یہ کام نوح سے ہو جاوے پس بموجب فرمانے آدم علیہ السلام کے تمام نوح علیہ السلام کے پاس جاوینگے اور نوح علیہ السلام اسی طرح یعنی عذر پیش کرکے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجینگے ابراہیم علیہ السلام اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجینگے موسیٰ علیہ السلام اسی طرح عذر کرکے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجینگے سب پیغمبر اولوالعزم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے[1] اپنے قصوروں کا اقرار کرینگے اور عذر پیش کرکے دہشت کے مارے اس مقام سے قدم آگے نہیں بڑھاوینگے آخر الامر حضرت خاتم المرسلین شفیع المذنبین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے کہ آپکی شان میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وارد ہوا ہے (اور بخشدیئے اللہ نے سب گناہ تیرے پہلے اور پچھلے) اور حاضر ہوکر حال عرض کرینگے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسیوقت کھڑے ہوجاوینگے اور سرا پردہ عزت وجلال میں حاضر ہونگے حضور کو مقام محمود عطا ہوگا کہ حضور کے سوا اور کسی کو نہیں ملیگا جیساکہ اللہ کریم نے فرمایا عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قریب ہی کہ پہنچادیگا تجھکو تیرا رب مقام محمود[2] پر پس آپ اللہ کو سجدہ کرینگے حکم ہوگا اے حبیب اپنا سر سجدہ سے اٹھا اور جو کچھ مانگتا ہے مانگ اور جو کچھ کہنا ہو کہہ۔ اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ سے سر مبارک اٹھاوینگے اور اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا اُن الفاظ سے کرینگے جو اللہ کریم ہی آپ کو سکھاویگا اور کچھ حصّہ اپنی اُمت کے گنہگاروں کا بخشوائینگے۔ اسکے بعد دوسرا سجدہ کرینگے اور بحکم پروردگار سر سجدہ سے اُٹھاکر اسی طرح پروردگار کی حمد وثنا کرینگے اور ایک اور حصّہ اپنی اُمت کے گنہگاروں کا بخشوائینگے۔ پھر تیسری دفعہ سجدہ کرینگے اور اسی طرح بحکم پروردگار سر اُٹھاکر خداوند کریم

---

[1] یعنی حضرت آدم علیہ السلام درخت ممنوع سے کھانیکا قصور یاد کرینگے اور نوح علیہ السلام اس دُعا کو یاد کرینگے جو کافر پسر کے واسطے بچانے کو کی تھی اور معتوب ہوئے تھے ابراہیم علیہ السلام اپنے تین دفعہ جھوٹ بولنے کو یاد کرینگے حالانکہ وہ تینوں دین کیواسطے تھے اور ان میں تاویل تھی۔ موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کافر کو مکّے سے مار ڈالنے کے قصور کو یاد کرینگے عیسیٰ علیہ السلام کہینگے میری امت نے مجھے خدا کا بیٹا قرار دیا میں شرمندہ ہوں۔ بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کچھ نہ کچھ عذر کرینگے ۱۲

[2] مقام محمود کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تمام اولین وآخرین آپکی تعریف کرینگے کہ شفاعت کا دروازہ آپکے سوا اور کوئی نہیں کھول سکا ۱۲۔

Marfat.com

کی حمد و ثنا کرکے باقی امت بخشوائینگے۔ اُسوقت دوزخ میں وہی اشخاص باقی رہینگے جن کیواسطے قرآن شریف میں ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم ہے اور وہ منکرین اور کافرین ہیں۔ یہ مضمون اُس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے اِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کے گناہ آپ ہی بخشوائینگے اور کسی کی شفاعت کی ضرورت نہ ہوگی یا اوروں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کی حاجت ہوگی اور حضور بارگاہ الٰہی میں عرض کرینگے ایک اور حدیث میں آیا ہی کہ بعد شفاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی شخص دوزخ میں نہ رہیگا مگر وہ لوگ کہ بجز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ذرہ بھر بھی نیکی انکے پاس نہ ہوگی سراپا گناہ ہونگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے واسطے بھی شفاعت کرنے کا اذن چاہینگے پروردگار فرماویگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ خاص ہمارے لئے ہیں اِنکی شفاعت ہم اپنے سے آپ کرینگے اور انکو دوزخ سے باہر نکالینگے۔

حاصل کلام یہ شفاعت[1] کا دن اور شفاعت کا مقام اور یہ مرتبہ اور یہ کلام باملک العلام سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہی سے مخصوص ہے حضور ہی اللہ کے مہمان ہیں اور سب طفیلی ہیں جیساکہ خداوند کریم فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اے محمد اے میرے محب اے میرے محبوب اے میرے مطلوب اے میرے خاص بندہ قریب ہے ایسی نعمت اور رحمت تیرے اوپر نثار کروں گا کہ تو خوش ہوجاویگا اور کوئی آرزو تیرے دل میں باقی نہیں رہیگی اے محمد سب میری رضا کے طالب ہیں اور میں تیری رضا کا طالب ہوں۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرینگے میں ہرگز راضی نہیں ہونگا جبتک کہ میری امت کے تمام گنہگار نہیں بخشے جاوینگے۔ کہتے ہیں یہ آیہ شریفہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بیشک اللہ تمہارے سب گناہ بخشے گا اسی امت کے

[1] یقیناً شفاعت حصہ خاص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کتب علم کلام اور احادیث میں جہاں شفاعت کا ذکر ہی وہاں شفاعت کے اقسام شفاعت بالاذن اور شفاعت بالوجاہۃ اور شفاعت بالمحبوبیۃ نظر سے نہیں گذرے اسوقت کے بعض علماء معلوم نہیں کہاں سے قسم اوّل شفاعت کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ثابت کرتے ہیں باقی دو قسموں کی نفی کرتے ہیں یہ تقسیم اور نفی جمہور کے خلاف ہی جس قسم کی شفاعت ہوسکتی ہے وہ سب شفیع المذنبین حضور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیواسطے ثابت ہی ہمارا اپنے خیال سی شفاعت کے اقسام بنانا پھر بعض اقسام سی انکار کرنا کمال

واسطے مخصوص ہے۔ نوح علیہ السلام کی امت کے واسطے حکم ہوا یَغْفِرْ لَکُمْ مِنْ ذُنُوْبِکُمْ یعنی اللہ بخشے گا واسطے تمہارے تمہارے گناہوں میں سے علم نحو کے قاعدہ کے موافق لفظ مِنْ تبعیض کا فائدہ دیتا ہے یعنی بعض گناہ معاف کئے جاوینگے۔ اِس اُمت پر اللہ تعالےٰ کا فضل ہے اور اسکے ساتھ عدل ہے اسیقدر امیدواری اور بشارت گنہگاروں کو کافی ہے اُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ اُمت گنہگار ہے اور پروردگار بخشنے والا ہے جب مہمان عزیز ہوتا ہے طفیلی بھی عزیز ہوتے ہیں۔ بیت۔ نومید نباشی گرت آں یار براند ✤ امروز براند نہ کہ فردات نخواند ✤ اگر وہ تجھے نکالدے نومید نہ ہو آج نکالتا ہے مگر کل بلائیگا یعنی بخشدیگا۔ اے مخاطب حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بنجا پھر سب کام آسان ہیں مشکل اسیوقت تک ہے کہ تو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنا تعلق پورا نہیں کیا اگر تعلق سچا ہے تو پھر کچھ مشکل نہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد لاکھ گناہ ایک گھاس کے پٹھے کے برابر بھی نہیں اگر ایمان کے نور کا چراغ بندہ کے دل میں روشن ہے گناہوں کے اندھیرے کو وہاں کیا دخل ہے ایمان کا غم کھانا چاہیئے یعنی ایمان درست کرنا چاہیئے پھر کچھ فکر نہیں ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ تمام رات روتے رہے لوگوں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں آپ خوش رہیں کہ گناہوں کا بوجھ آپکے اوپر نہیں ہے حضرت ممدوح نے جواب دیا گناہ اگر پہاڑ کے برابر ہوں پروردگار کی رحمت کے مقابلہ میں گھاس کے تنکے کے برابر نہیں۔ رونا تو اسواسطے ہے کہ ایمان دنیا سے سلامت جاتا ہے یا نہیں۔ بیت۔ ایمان چو سلامت بلب گور برم ✤ اَحْسَنْت بریں چستی وچالاکی ما ✤ یعنی اگر قبر تک ہم ایمان سلامت ہمراہ لیجاویں ہماری اس چستی اور چالاکی پر ہزار آفریں ہے۔

اب جو بات شفاعت کے باب میں باقی رہی ہے اسکو ہم تمام کئے دیتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ شفاعت کئی مقام پر ہوگی۔ اوّل موقف میں یعنی محشر میں اس مقام پر سخت ہیبت اور دہشت ہوگی۔ کھڑے کھڑے سخت اذیت اور شدت اُٹھاوینگے یہاں ان شدتوں کی تخفیف کیواسطے شفاعت ہوگی۔ دوسرے سوال اور حساب پیش ہونے کے وقت کہ سوال اور حساب میں آسانی ہو مناقشہ نہ ہو حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ فَقَدْ عُذِّبَ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ عذاب میں گرفتار ہوا۔ تیسرے عذاب کا حکم جاری ہونیکے

Marfat.com

وقت شفاعت ہوگی کہ قصور معاف فرمایا جاوے اور عذاب نہ ہو۔ چوتھے درکات دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کہ گنہگاروں کے قصور معاف ہوں اور دوزخ سے نکالے جاویں۔ پانچویں جنّت میں درجے بلند ہونے اور ثواب زیادہ ملنے کے باب میں شفاعت ہوگی جیسے کسی گنہگار کو بادشاہ کے روبرو کھڑا کریں اور وہ سخت دہشت میں ہو کوئی مقرب درگاہ اسکی سفارش کرے کہ اسکو بٹھا کر نرمی سے پوچھو پھر حساب لیتے وقت کوئی شفاعت کرے اور حکم ہو چھوڑ دو حساب نہ لو یا تھوڑا سا حساب نرمی سے لیلو پھر ثبوت جرم کے بعد قید کا حکم ہو اور شفاعت سے معاف ہو جاوے قصور بخشا جاوے قید خانہ سے نکالا جاوے۔ اور بعد نکالنے کے کوئی شفاعت کرے اور منصب عالی عطا کیا جاوے۔

پس ہر گنہگار عاجز کو امیدرکھنی چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب مواقع اور مقامات پر شفاعت فرماوینگے اور دوزخ سے نکالکر جنّت کے اعلیٰ درجات میں پہنچائینگے انشاء اللہ تعالےٰ

نصیب ماہست بہشت اے خدا شناس برو ✤ کہ مستحق کرامت گناہ گاران اند

اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت عام بھی ہوگی تمام امت بلکہ تمام خلائق کے واسطے اور خاص بھی ہوگی۔ مثلاً مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً کے رہنے والوں کے واسطے اور روضہ شریفہ کی زیارت کرنے والوں کے واسطے اور آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں کے واسطے۔ محققین نے کہا ہے کہ شفاعت دراصل انوار رحمت الٰہی کا عکس ہے کہ وہ انوار بارگاہ رب العزت سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب شریف پر نازل ہوتے ہیں اور حضور کے قلب شریف سے اُن انوار کا عکس اُن دلوں پر پڑتا ہے جو حضور کے قلب شریف کے مقابل اور محاذی ہیں مثلاً آفتاب کی روشنی کا عکس پانی پر پڑتا ہے اور اس عکس سے جو چمک پانی میں پیدا ہوتی ہے اسکا عکس اُس دیوار پر پڑتا ہے جو پانی کی سطح کے مقابل ہو اور یہ شرف مقابلہ اور محاذات حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دل توجہ کرنے اور حضور کے اتباع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ زیادہ قوی سبب حصول اس عکس کا اتباع سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے جسقدر متابعت قوی ہوگی زیادہ عکس پڑیگا مگر درجات ملنے کی شفاعت کے متعلق ہے۔

Marfat.com

اور گناہوں کی بخشش کے مقام پر شفاعت ہونے کے واسطے اصل ایمان کافی ہے۔
زیادہ موثر اس باب میں کثرت سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کا رات
دن ظاہر اور باطن میں پڑھنا ہے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ لَیْلًا وَّنَھَارًا ظَاھِرًا
وَّبَاطِنًا کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ وباللہ التوفیق
وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ بہشت اور دوزخ جس طرح اور جس صفت سے
کہ انکا بیان قرآن اور حدیث میں ہے وہ حق ہے۔ جنت اور دوزخ کے مکان میں اختلاف ہے
بعض کہتے ہیں کہ جنت پہلے آسمان پر ہے بعض چوتھے پر بتاتے ہیں بعض ساتویں پر۔ دوزخ کو
بعض زمین کے نیچے کہتے ہیں بعض آسمان کے اوپر۔ اور ایک جماعت کو دونوں میں توقف ہے
کہتے ہیں کہ دونوں کے مکان اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ جنت و دوزخ
دونوں کے مکان معین ہونے میں کوئی نص صریح نہیں ہے لیکن اکثر علماء کا مذہب یہ ہے
کہ بہشت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہے لیکن یہ
مشکل ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
یعنی وہ جنت ایسی ہے کہ اسکا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ پس جبکہ اتنا بڑا ایک جنتی
کا مکان ہو یا ایک جنت کا ہو تو اسکا وجود آسمان زمین میں سے ایک معین مکان میں کیونکر سما سکتا
ہے اسکا جواب تفسیروں میں یہ لکھا ہے کہ جنت کا عرض جب آسمان و زمین کے برابر ہو کہ زمین
و آسمان آپس میں ملے ہوئے ہوں اور ایک دوسرے کے متصل ہوں۔ سب کو جہات سے
بہتر توجیہ یہ ہے کہ آدمیوں کے نزدیک کوئی چیز آسمان و زمین سے زیادہ وسیع نہیں ہے اور اس
تمثیل سے جنت کی وسعت کا مبالغہ منظور ہے اسکی حدود کا بیان مقصود نہیں ہے اور حقیقت
میں جنت کی وسعت اللہ کریم کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ چھوٹا سا گھر بہشت کا تمام دنیا کے برابر اور
اُس سے دس گنا ہوگا واللہ اعلم۔

اور اعراف اُس مقام کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا نہ اسمیں جنت
کی سی راحت اور عیش ہوگی نہ دوزخ کی سی مصیبت اور محنت ہوگی مگر اسکا وجود نقل صحیح اور
نص قطعی سے ثابت نہیں ہوا بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مشرکوں کے بچوں اور اُن

Marfat.com

لوگوں کے واسطے پیدا کیا ہے جو زمانہ فترت میں ہوئے ہیں یعنی جن پر دنیا میں وحی نہیں بھیجی۔ امام سبکی نے کہا ہے کہ اعراف کا قول حدیث شریف میں کہیں نہیں آیا اور نہ علماء میں سے کوئی اس طرف گیا ہے انتہی اور قرآن شریف میں جو آیا ہے (وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ اور اعراف پر مرد ہونگے کہ ہر ایک کو جنتیوں اور دوزخیوں میں سے انکے قیافہ سے پہچانیں گے) اس سے اُن پردوں اور دیواروں کی بلندیاں مراد ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہیں اور رجال سے یہاں پیغمبر اور شہدا اور نیک مومن اور علماء یا فرشتے مراد ہیں کہ اہل بہشت و دوزخ کو انکی پیشانی کے نشان سے پہچانیں گے اور خطاب کرینگے۔

وَهُمَا مَخْلُوْقَتَانِ مَوْجُوْدَتَانِ دوزخ اور جنت پیدا ہو چکے اور اب موجود ہیں نہ یہ کہ قیامت کے دن پیدا ہونگے آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کا قصہ دلیل کافی ہے۔

بَاقِيَتَانِ وَلَا يَفْنَيَانِ وَلَا يَفْنٰى اَهْلُهُمَا بہشت اور دوزخ اور بہشتی اور دوزخی ہمیشہ باقی رہیں گے کبھی فنا نہیں ہونگے۔ جب سب ایک بار مر گئے پھر زندہ ہو گئے۔ اسکے بعد ابد تک زندہ رہیں گے۔ کسی کو وہاں موت نہیں ہو گی اسیواسطے فرمایا وَخَلَقْتُكُمْ لِلْاَبَدِ میں نے تم کو ہمیشہ کے واسطے پیدا کیا ہے۔

وَكُلُّ مَا اَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَاَحْوَالِ الْاٰخِرَةِ حَقٌّ جو خبریں کہ مخبر صادق حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں کے متعلق فرمائی ہیں جیسے سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا کہ وہ دن توبہ کے دروازہ کے بند ہونیکا ہے اور دجّال اور دابۃ الارض کا نکلنا اور عیسیٰ[1] علیہ السلام کا آسمان پر سے اُترنا اور صور کا پھونکنا اور سوا اسکے تمام حالات قیامت کے قائم ہونے سے

[1] تمام اہل سنت جماعت کا یہ عقیدہ کتب علم کلام میں لکھا ہوا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے دنیا میں تشریف لاوینگے اور دجال کو قتل کرینگے اور ایسا ہی احادیث سے ثابت ہے برخلاف اسکے اس چودھوین صدی میں ایک فرقہ مرزا قادیانی کا پیرو پنجاب میں پیدا ہوا اور اُس نے یہ جھوٹا دعویٰ کیا کہ خود عیسےٰ علیہ السلام نہیں آوینگے وہ فوت ہو چکی بلکہ اُن کا مثیل مرزا غلام احمد آیا ہے علماء نے صدہا کتابیں اُن کے رد میں لکھیں اور اس جھوٹے دعوی کو خوب رد کیا اب کئی سال ہوئے خود مرزا غلام احمد ہی مر گیا اور ثابت ہو گیا کہ قیامت سے پہلے حسب ارشاد مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے ۱۲

Marfat.com

دل سے یقین جاننا اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ایمان ہے

جنّت میں داخل ہونے تک بلکہ ہر خبر جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی اور حکم شریعت[1] کا جو حضور نے فرمایا سب حق ہے یہ بطور اجمال بیان کیا گیا۔ مفصل حدیث کی کتابوں میں موجود ہی

وَالْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ ایمان دل سے یقین کرنا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور اسکے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچّے رسول ہیں اور زبان سے بھی ان دونوں باتوں کا اقرار کرنا دل سے یقین کرنا ایمان کی حقیقت ہے اور زبان سے گواہی دینا اسکی نشانی اور علامت ہے اسواسطے کہ زبان دل کی ترجمان ہے بغیر زبان پر لائے دل کا حال معلوم نہیں ہوتا احکام ظاہری کا جاری ہونا اسی پر موقوف ہے۔ اگر کوئی گونگا ہو یا کوئی شخص کسی سے زبردستی کفر کا کلمہ کہلوائے اور دل میں اسکے ایمان ہو یا کوئی دل سے یقین کر لینے کے بعد مرجاوے اور زبان سے اقرار کرنے کی فرصت نہ پاوے ان صورتوں میں زبانی اقرار شرط نہیں اور اہل حدیث کہتے ہیں اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ ایمان دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا اور اَرْکَان یعنی ہاتھ پاؤں سے عمل کرنا ان تینوں کا نام ایمان ہے۔

اور درحقیقت دونوں میں کچھ فرق نہیں ایمان کامل وہی ہے جو محدثین کا مذہب ہی کیونکہ ایمان بغیر عمل کے ناقص ہے لیکن ایمان کی اصل اور جڑ تصدیق ہی ہے جیساکہ علم کلام والے حنفیہ کہتے ہیں۔ یوں کہسکتے ہیں کہ ایمان ایک درخت کی مانند ہے اسکی جڑ تصدیق ہے اور اعمال جو ثمرہ اور نتیجہ تصدیق کے ہیں وہ مثل ٹہنیوں اور پتّوں اور پھولوں اور پھلوں کے ہیں۔ اگرچہ بغیر پھل والے درخت کو بھی درخت کہتے ہیں لیکن کامل درخت وہی ہے جسمیں پھل ہوں اسیطرح ایمان کامل وہی ہے جسکے ساتھ اچھے عمل ہوں اور بے عمل کے ناقص ہے نام اِسکا بھی ایمان ہے اِسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے اکثر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو ملایا ہے جیساکہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بیشک جو لوگ ایمان لائے

[1] پنجاب ہی مین ایک اور جدید باطل فرقہ پیدا ہوا اُس نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطعی انکار کردیا اپنا نام فرقہ قرآنیہ رکھا انکا مذہب باطل یہ ہے کہ جو مسئلہ قرآن سے ثابت ہو وہ درست ہے اور جو حدیث سے ثابت ہو وہ غلط ہے حالانکہ خود خداوند کریم نے قرآن شریف میں فرمایا اور بتلادیا مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا جو حکم تمکو رسول دے اسپر عمل کرو اور جس سے روکے اسکو نہ کرو۔ اللہ تعالےٰ انکو ہدایت دے ۱۲۔

Marfat.com

اور اچھے عمل کئے۔ اس آیۃ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ایمان کی تصدیق ہے اور عمل صالح اِس سے جدا مگر اسکو کامل کرنے والے ہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو کہیں کہ فلاں یہ چیز بھی رکھتا ہے اور وہ چیز بھی رکھتا ہے اِس سے یہی سمجھا جاوے گا کہ وہ شخص دونوں چیزیں رکھتا ہے مگر وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ دونوں کو ایک کہنا درست نہ ہوا جو دونوں کو ایک کہے وہ غلطی کی طرف نسوب کیا جاوے۔

اور یہ بات بھی معلوم کرنی چاہیئے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف سچے بنی جاننے کا نام ایمان نہیں ہے۔ جب تک کہ دل میں اسکی تصدیق نہ ہو کیونکہ علم اور چیز ہے اور تصدیق اور شے ہے۔ تصدیق عبارت ہے اذعان اور قبول کر لینے سے اسکو فارسی میں گرویدن کہتے ہیں اور یہ درحقیقت دل رنگ قبول سے رنگا جانا اور نور یقین سے دل کا منور ہو جانا ہے۔ اور علم صرف جاننے کا نام ہے۔ تمام کفار عرب علی الخصوص نا اہل یہود ی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی جانتے تھے اور یہ علم ان کا ایسا تھا جیسا اپنے فرزند کا انسان کو علم ہو کہ اس کے سامنے پیدا ہوا ہو چنانچہ خدا تعالیٰ کریم فرماتا ہے يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وہ نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو۔

پیغمبر آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی خبریں اور آپکی صورت و سیرت اور صفتیں اور نام و نشان اور پیدا ہونیکا مقام سب یہودیوں کی کتابوں میں لکھا تھا اور ان کی زبانوں پر جاری تھا۔ بہت یہود موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک آپ پر ایمان لانے کی نیت سے مدینہ میں آکر رہے اور ساری عمر اسی شوق میں گذاری اور مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اگر تم زمانہ نبی آخر الزمان کا پاؤ تو آپ کی خدمت میں ہمارا سلام پہنچانا اور ہمارے ایمان لانے کا پیغام عرض کرنا اور درحقیقت اس باب میں یہود سے زیادہ کسیکو علم نہ تھا مگر جب آفتاب نبوت نے طلوع کیا یہود کی شقاوت ازلی سامنے آگئی ان کی عقل کی آنکھوں پہ خفاشی کا پردہ پڑ گیا اور حسد و عناد اور غرور پیدا ہو گیا۔ کفر و انکار کے گڑھے میں جا پڑے اور نجات کے راستہ سے محروم رہے۔

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ علم اور عقل اللہ کریم کی عنایت اور ہدایت کے بغیر کچھ کام نہیں آتی اور کچھ اثر نہیں رکھتی وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا یعنی انکار کیا اسکا بوجہ ظلم اور

Marfat.com

تکبر کے اور یقین کر چکے تھے ان کے دل۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا یَخْشَعُ ہم پناہ مانگتے ہیں ساتھ اللہ کے اُس علم سے جو نفع نہ دے اور اُس دل سے جو خدا سے نہ ڈرے۔ علے کہ راہ بحق ننماید جہالت است۔ جو علم کہ سچا راستہ نہ بتاوے جہل ہے۔

وَھُوَ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ اور ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔

جب ثابت ہوا کہ ایمان عبارت ہے تصدیق قلبی سے اور وہ ایک ہے لہذا ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوگا اس واسطے کہ زیادہ ہونا اور کم ہونا تعداد اور گنتی میں ہوتا ہے۔ اگر تصدیق کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ایمان میں داخل کئے جاویں تو بسبب زیادتی اور کمی اعمال کے ایمان بھی کم اور زیادہ ہوگا لیکن جب ایمان۔ کے معنی تصدیق قلبی کے ہیں اور اعمال اس میں داخل نہیں تو امام اعظم ابو حنیفہ رضہ کا یہ قول کہ اَلْاِیْمَانُ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ یعنی ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا بے شبہ اور بغیر کسی اشکال کے درست اور ثابت ہوا اور حقیقت میں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں اور یہی اہل سنت جماعت کا مذہب ہے و باللہ التوفیق۔

وَالْاِیْمَانُ وَالْاِسْلَامُ وَاحِدٌ ایمان اور اسلام ایک ہی ہیں لیکن اکثر اطلاق ایمان کا تصدیق دل اور حال باطن پر ہوتا ہے اور اسلام کا اطلاق خشوع اور انقیاد ظاہری پر ہوتا ہے جیسا کہ اس آیہ شریفہ میں ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا اعرابیوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں۔ اے محمد تم اُن سے کہو تم ایمان تو نہیں لائے یعنی دل سے تصدیق نہیں کی۔ لیکن یہ کہو کہ ہم مسلمان ہیں یعنی ظاہر کے فرمانبردار ہیں۔ مقصود اس جگہ یہ ہے کہ جو مومن ہے وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ مومن ہے۔ بیچ میں مغائرت نہیں۔

وَلَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اور نہیں مناسب کسی کے واسطے یہ جملہ کہنا میں مومن ہوں انشاء اللہ علماء میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَآءَ اللّٰہُ کہنا درست ہے اور بعض کے نزدیک درست نہیں۔ حنفی ناجائز بتلاتے ہیں اور شافعی جائز کہتے ہیں اور فی الواقع کچھ اختلاف نہیں۔ اگر اس جملہ شرطیہ انشاء اللہ سے مقصود تردد اور شک ہو تو جیسا کہ علماء حنفیہ کہتے ہیں اسکا کہنا جائز نہیں۔ اور اگر اللہ کا نام تیمناً اور تبرکاً لیا ہے تو درست ہے کہ مقصود عجب و غرور کا دور کرنا ہے اور نفس کا درست بنانا ہے۔ یا مثلاً انجام کا تردد ہے کہ ایسا ناس ایمان حاصل ہوتا ہے یا نہیں جسکی نسبت فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا وہ لوگ سچے مومن ہیں

Marfat.com

غرض بعض وجوہ سے کلمہ انشاء اللہ کہنا درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ نہ کہے کہ ظاہر میں بھی تردد اور شک کا کلمہ زبان پر نہ آوے۔

وَاِیْمَانُ الْبَاْسِ غَیْرُ مَقْبُوْلٍ ایمان باس کا مقبول نہیں ہے۔ باس کے معنی شدت اور عذاب کے ہیں مگر یہاں سکرات موت سے مراد ہے کہ اس وقت آخرت کے حالات معلوم ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ ہر شخص موت کے وقت اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے۔ مومن بہشت میں اور کافر دوزخ میں۔ پس اگر اس حالت میں کوئی کافر ایمان لاوے تو مقبول نہیں کیونکہ ایمان غیب پر لانا چاہیے بندہ اپنے اختیار اور قصد سے اللہ کے حکم کی فرماں برداری اور اطاعت کرتا ہے اور حالت سکرات میں غیب کی حالت نہیں رہی۔ اسوقت بندہ بلا قصد اضطرار سے ایمان لانے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ قیامت کے دن تمام کافر پکاریں گے۔ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ اے رب ہماری آنکھیں بینا ہوگئیں اور کان سننے والے ہوگئے (اور ہم نے یقیناً جان لیا کہ جو کچھ تیرے پیغمبروں نے دنیا میں خبریں دی تھیں اور تیری کتابوں میں لکھا تھا سب سچ ہے ہم کو دنیا میں بھیجدے کہ ایمان لاویں اور اچھے کام کریں۔ اور ثواب کے مستحق بنیں) یہ ایمان اور حق کا اقرار اُس وقت اُن کو کچھ فائدہ نہیں دیگا۔

تمام اہلِ حق کو اِس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ ایمان باس مقبول نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ یعنی اللہ تعالےٰ بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جبتک غرغرہ کی نوبت نہ پہنچے۔ غرغرہ موت کی حالت اور سکرات کی شدت اور روح کے حلقوم میں پہنچنے سے مراد ہے اور قرآن شریف میں ہے۔ فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا یعنی عذاب الٰہی دیکھنے کے وقت ایمان لانا فائدہ نہیں کرتا۔ دوسری فرمایا وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ اور نہیں قبول ہوتی توبہ اُن لوگوں کی جو گناہ کرتے ہیں برابر یہاں تک کہ جب موت آموجود ہوئی کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں۔

اِس آیۃ کے ساتھ استدلال صحیح ہے کیونکہ پہلی آیۃ میں یہ احتمال ہے کہ رویت باس سے قیامت کی نشانیوں کا دیکھنا مراد ہو۔ جیسے مغرب سے آفتاب کا نکلنا۔ بعض مفسرین نے اسکی تفسیر میں

Marfat.com

لکھا ہے کہ یہ پچھلی آیۃ صراحۃً پکارتی ہے کہ مرتے وقت کی توبہ اور ایمان مقبول نہیں ہے اور انہی دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ بھی حالت باس اور غرغرہ کے وقت قبول نہیں جسطرح کہ ایمان لانا ایسی حالت میں قبول نہیں یہی مذہب اکثر اشاعرہ اور فقہاء کا ہے اور اکثر علماء کے نزدیک باس کے وقت توبہ گناہوں سے قبول ہو جاتی ہے لیکن باس کے وقت بالاتفاق والاجماع ایمان قبول نہیں ہوتا۔ یہاں سے لازم آیا کہ باجماع امت فرعون کا ایمان کہ غرق ہونے کے وقت لایا تھا قبول نہیں ہوا کیونکہ غرق کا وقت باس کا وقت اور حیات سے ناامیدی کا وقت تھا اضطراری کا زمانہ تھا اختیار کا نہیں تھا اس امت کے تمام علماء اور مجتہدین اور پیشواؤں کا عقیدہ یہی ہے کہ فرعون حالت کفر میں کافر مرا اسواسطے شرع شریف میں ہر جگہ اسکی مذمت آئی ہے اور اس کا کفر اور غرور قرآن شریف کی آیتوں سے ظاہر ہے۔ اسکے جہنمی ہونے پر نص صریح دلالت کرتی ہے جیسا کہ فرمایا فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى یعنی پکڑا اللہ نے فرعون کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں دوسری جگہ فرمایا يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ یعنی قیامت کے دن فرعون اپنی قوم کا پیشوا ہوگا پس پہنچاویگا انکو آگ میں اور اُن کا پیشوا و سردار دوزخ کے اندر ہوگا حدیث شریف میں وارد ہے کہ امرأ القیس دوزخ میں اور شعراء زمانہ جاہلیت کا پیشوا ہوگا۔ الفاظ حدیث شریف کے یہ ہیں یقدم الشعراء الی النار اور جگہ فرمایا وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ یعنی تکبر کیا فرعون اور اسکے لشکر نے زمین میں حق کے خلاف اور گمان کیا اس نے اور اسکے لشکر نے کہ ہماری طرف نہیں رجوع کرینگے اور ہماری بارگاہ قہاری میں حاضر نہیں ہونگے جیسا کہ اور کافر گمان کرتے ہیں فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ پس اپنے قہر اور عذاب میں ہم نے اسکو اور اسکے لشکر کو پکڑ لیا اور ہم نے اُن سب کو دریا میں ڈالدیا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ پس دیکھ کہ انجام ظالموں اور متکبروں اور کافروں کا (کہ اُنہوں نے خدا اور اُسکے رسول کے ساتھ تکبر کیا تھا دنیا اور آخرت میں اسکی سزا پائی رسوا ہوئے) کیا ہوا وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ اور کیا ہم نے اُن کو یعنی فرعون اور اسکے لشکر کو امام اور پیشوا دوزخیوں کا کہ دوزخ کی طرف انکو

Marfat.com

بلاتے ہونگے وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ اور وہ قیامت کے دن مدد نہیں دیئے جاوینگے
بلکہ مطرود اور مردود ہونگے وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ
مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ اور ہم نے مقرر کی اُن کے واسطے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن
وہ اور اسکا لشکر رسوا ہوگا۔

حال فرعون کا قرآن شریف سے معلوم ہوا اگر وہ مسلمان ہوکر اور پاک ہوکر دنیا سے جاتا ہرگز
ایسے وصفوں کے ساتھ اسکو یاد نہ کرتے اگر اسکے اسراف اور تکبر وظلم کو اسکی حیات اور دنیا کے حالات
پر حمل کریں تو اسکا کیا جواب کہ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ یعنی فرعون اور اُسکا
لشکر قیامت کے دن رسوا ہونگے۔ جو شخص ان آیات کے سیاق پر نظر ڈالے وہ یقین کریگا کہ اسجگہ
ضمیریں اور کنایات فرعون کے لشکر کے ساتھہ خاص نہیں بلکہ فرعون اور لشکر دونوں کی طرف
پھرتی ہیں غرض ہرگز عقل میں نہیں آتا کہ فرعون اللہ کے نزدیک سچّا مومن ہو کہیں اسکی تعریف
مذکور نہیں اور نہ کہیں اسکے خاتمہ کے اچھے ہونے کا ذکر ہے کہ ہمارا فلان بندہ تمام عمر کفر وعصیان
میں مبتلا رہا آخر ہمارے فضل ورحمت نے اسکی دستگیری کی بلکہ سب جگہ اسکی مذمت اور اسپر ملامت ہے
کہیں اسکے ایمان یا اسلام کا ذکر تک نہیں مگر اس آیۃ میں حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ
اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ
(ترجمہ یہانتک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا کہا ایمان لایا میں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے
جسپر ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں مسلمانوں ہی میں سے ہوں)

اس آیۃ کے سیاق اور سباق سے سوائے اسکے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ظالم
تمام عمر تکبر وغرور اور اسراف میں غرق رہا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اسکے واسطے اور اسکے
لشکر کے واسطے عذاب کی درخواست کی آخر وقت جب زندگی سے نا امید ہوا اور عذاب الٰہی
کو دیکھہ چکا اسوقت زبان پر اسلام کا کلمہ جاری کیا حکم ہوا کہ اسوقت ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا
کہ اختیار کی باگ ہاتھہ سے چھوٹ گئی وہ تیرا کفر وفساد کہاں گیا آج ہم تجھکو دنیا میں رسوا کرینگے
اور تیری نعش کو دریا سے نکالکر عالم کا تماشا گاہ بنائینگے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو کر کفر اور غرور
وسرکشی خدا اور رسول کے ساتھ کرنے کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں رسوائی ہی جیسا کہ

فرمایا فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى یعنی پکڑا اللہ نے فرعون کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں بیشک اسمیں عبرت ہے اُس کے واسطے جو اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈرے۔ اور یہ خیال (کہ فرعون کی بی بی حضرت آسیہ نے موسےٰ علیہ السلام کی نسبت فرعون سے کہا تھا قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ بچہ یعنی یہ میرے اور تیرے واسطے آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا اسکو قتل نہ کرو) حضرت آسیہ کا محض خیال اور گمان ہے حکمت الٰہی اسمیں یہ تھی کہ موسےٰ علیہ السلام ظالم کے ہاتھ سے خلاص پاویں ہلاک نہ ہوں کیونکہ اور بچّوں ذکور کو فرعون زندہ نہیں چھوڑتا تھا گویا حضرت آسیہ نے یہ حیلہ انکے بچانے کا کیا تھا۔ حضرت آسیہ کو فراست یا الہام سے موسیٰ علیہ السلام کا نبی مرسل ہونا معلوم ہو گیا تھا اور اس آیہ (فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا یعنی اٹھالیا موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہونے کے بعد آل فرعون نے تاکہ انکا دشمن اور باعث رنج وخرابی ہو) میں بظاہر وہ عداوت مراد ہے جو نفس الامر میں ہو اگر فرعون مسلمان ہو کر مرتا تو یہ عداوت دائمی کیوں ہوتی۔ قرآن شریف کے علاوہ فرعون کی مذمت احادیث اجماع امت یعنی صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور علماء مجتہدین ومشائخ متقدمین ومتاخرین رحمہم اللہ سے بکثرت ثابت ہے اگر اسکا خاتمہ بخیر ہوتا تو اُسکا کفر اور طغیان ضرب المثل نہ ہوتا روایت ہے کہ جب غزوہ بدر میں ابوجہل لعین مارا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اس امت کا فرعون وقت مر گیا اگر فرعون پاک ہوتا تو اسکے ساتھ ابوجہل قطعی دوزخی کی تشبیہ کیونکر درست ہوتی۔ اور اگر یہ خیال گذرے کہ یہ تشبیہ اُس کفر وتکبر کے سبب ہے جو حالت حیات میں رکھتا تھا اسکا جواب یہ ہے کہ کہیں شریعت میں نہیں آیا کہ بعد توبہ کرنے اور اسلام لانے کے کسی کو اسکے پہلے کفر وگنہگاری کے اعتبار سے کفر وعصیان میں مشبہ بہ بناویں اسلئے کہ اسلام اپنے ماقبل کے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے بہت سے رئیس قریش کہ مدۃ العمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں رہے اور کفر وسرکشی کرتے رہے آخر ایمان لائے اور دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے شرع شریف میں انکے پہلے حال کے متعلق مذمت اور جو کہیں بیان نہیں ہوئی۔

خاصکر قرآن مجید میں فرعون کے متعلق کثرت سے مذمت اور تشنیع کی گئی ہے۔ مشائخ میں سے

Marfat.com

بھی کسی نے اسکو مومن مسلمان نہیں تبلایا صرف شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب فصوص الحکم میں مومن قرار دیا ہے یہ خیال انکا اگر ایمان یاس کے قبول ہونے کے متعلق ہے تو یہ امر اجماع کے خلاف ہے یا اس خیال سے ایسا فرمایا کہ فرعون کی حالت یاس نہ تھی مگر یہ بھی صحیح نہیں اسواسطے کہ ادراک غرق دریا کی حالت یاس اور موت کے پہنچنے کی ہے اور جب اجماع سے فرعون کا کفر ثابت ہوا حالت یاس کی نفی کرنا اثبات ایمان کے واسطے بیکار ہے۔ خود شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں فرعون کی مذمت اور سخت کافر ہونا بیان کیا ہی فرماتے ہیں دوزخ میں مراتب اور درکات ہیں بعض ان میں بہ نسبت بعض کے سخت ہیں ایک درکہ سرکشوں اور مغروروں کے واسطے ہے جیسے فرعون وغیرہ کہ اشد کافر ہیں۔

لیکن فصوص میں اسکے خلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ فصوص میں آیت قرآنی حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ الخ کو مختل تبلایا ہے اور تحقیق مذہب اور شیخ کا معتقد علیہ وہی ہی جو فتوحات میں ہے واللہ اعلم۔

اور اگر حضرت محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرعون کا ایمان صحیح ہے دوسرے اہل علم باوجود مخالفت اجماع تمام اُمت کے کس طرح اسکو ایمان والا خیال کر سکتے ہیں اجماع دلیل قطعی ہے دلائل شرعیہ میں سے۔ طبیعت کو حیرت پیدا ہوتی ہے کیا کیا جاوے یہی ہو سکتا ہے کہ تغافل اور اغماض کرکے تکلف کے ساتھ حضرت شیخ کے قول کو اجماع کے ساتھ مطابق کیا جاوے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ باوجود مخالفت تمام ائمہ دین جو شیخ نے سب کے مخالف کہا اسپر اعتقاد رکھیں اور بعض اس زمانہ کے نادانوں کی طرح دین اسلام کے پیشوایوں کے خلاف ہو کر فرعون کو مومن مان لیں نعوذ باللہ من الخلل والزلل آخر انبیاء کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے اگر کسی سے اجتہاد میں خطا ہو جاوے تو کیا نقصان ہے۔ مذہبوں کے امام دین کے پیشوا جنکا تمام عالم اتباع کرتا ہی ان سے مسائل دینیہ میں کئی جگہ خطا اجتہادی ہو گئی ہے اگر حضرت شیخ سے ایک مسئلہ میں خطا ہو گئی تو کیا تعجب ہے۔ حیرت اس بات میں ہے کہ باوجود اجماع امت کے برخلاف ہونے کے ایک ذات پر کس طرح ایک مسئلہ میں یقین کر لیا جاوے اگر یہ عقیدہ ہے کہ تمام اُمت میں سے حق ایک ہی ذات میں وقف ہو چکا تو اسپر دلیل کیا ہے اور اگر محض تقلید و اتباع ہے تو ایسے امور

Marfat.com

میں سلف اور مجتہدین کا اتباع بہتر اور احتیاط سے نزدیکتر ہے۔

اور اگر یہ کہیں کہ حضرت شیخ صاحب کشف و یقین ہیں حقائق و دقائق و معارف ایسے ان سے سرزد ہوئے ہیں مسئلہ شرعی میں خطار کا ہونا ان سے ممکن نہیں اور جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب میں کہا ہے بغیر کمی بیشی کے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ہے یہ دوسرا مضمون ہی دم مارنے کا مقام نہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ حقائق و معارف حضرت شیخ کے اپنی جگہ پر ہیں کس کی مجال ہے کہ اسمیں دم مارے مگر یہ مسئلہ فقہ کا ہے اسمیں قیاس صحیح اور دلیل کی ضرورت ہے یہ بات ظاہر ہے کہ آدمی سہو و نسیان سے خالی نہیں ہے اور سوائے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے کوئی خطار و خلل سے معصوم نہیں ہے آخر آپ نے فتوحات میں فرمایا ہے اور تمام تابع آپ کے اسکو نقل کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی آیت خلود عذاب کے باب میں واقع نہیں ہوئی ہے اگر ہے تو خلود نار مین ہے اور دخول نار عذاب کو مستلزم ہے پس آگ میں ہمیشہ رہنا بھی ہمیشگی عذاب کو مستلزم نہ ہوا حالانکہ قرآن مجید میں عذاب کے خلود کا بیان بہت جگہ ہے چنانچہ سورہ مائدہ میں فرمایا وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہینگے اور سورہ فرقان میں ہے وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا اور ہمیشہ کے واسطے داخل ہوگا عذاب میں ذلیل ہوکر فیہ میں ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے اور سورہ الم سجدہ میں ہے وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ اور چکھو تم عذاب ہمیشگی کا۔ اور سورہ زخرف میں ہے اِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ بیشک گنہگار یعنی کفار دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہینگے۔ باوجود حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس علم و کمال اور اس تلاش کے جو آپ میں مخصوص تھی خلود عذاب کا قائل نہ ہونا شیخ سے بھول نہیں تو اور کیا ہے واللہ اعلم۔

حاصل کلام یہ کہ اعتقادات اور احکام کفر و ایمان میں سواد اعظم سے باہر نہیں ہونا چاہیئے اور ائمہ مجتہدین کا تابع رہنا چاہیئے خصوصاً ایسے مسئلہ میں جسمین سب کا اجماع اور اتفاق ہو ل آداب اور اخلاق میں مشائخ کے تابع رہنا چاہیئے اور ان پر حسن ظنی اور اعتقاد رکھنا چاہیئے ران کے کلام کو علمار اور مجتہدین کے کلام کے موافق تطبیق دینی چاہیئے ریاضت اور مجاہدہ ن کوشش سے قدم رکھنا چاہیئے اگر استعداد کامل ہے اور نیت صادق ہے اور مجاہدہ تو ہے

احوال اور انوار خود بخود کھلجائینگے۔ اسمیں تکلف بناوٹ اور تقلید سے بچنا چاہیئے واللہ الموفق
وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔

شیخ ابن حجر مکی نے کتاب زواجر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اس قول کی رو سے
فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُھُمْ اِیْمَانُھُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (پس نفع نہیں دیگا انکو ایمان جب دیکھیں گے
وہ عذاب ہمارا) تمام علماء اُمت اور مجتہدین نے فرعون کے کفر پہ اجماع کیا ہے اور اگر کسی کے
نزدیک اللہ پر ایمان لانا معتبر ہو تو بھی اجماع کے انعقاد میں شک نہیں ہے کیونکہ صرف اللہ پر ایمان
لانا رسول پر ایمان لانے کے بغیر معتبر نہیں پس اگر تسلیم کیا جاوے فرعون کا اللہ پر ایمان لانا تو بھی وہ
موسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان نہیں لایا تھا پس یہ ایمان اسکو کیا نفع دیگا اگر کوئی کافر ہزار بار اَشْھَدُ
اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْ اٰمَنَتْ بِہِ الْمُسْلِمُوْنَ کہے تو وہ مومن نہیں ہی جبتک کہ وَاَنَّ
مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ کہے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ فرعون کے جادوگر بھی تو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے
اور انکا ایمان مقبول ہوا جواب اسکا یہ ہے کہ جادوگرون نے جب یوں کہا کہ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ..... (یعنی ایمان لائے ہم تمام جہان کے پالنے والے پر کہ وہ
موسیٰ اور ہارون کا رب ہے) تو ایمان کی اضافت موسےٰ و ہارون کے رب کی طرف کی ضمن
میں موسےٰ علیہ السلام پر بھی ایمان کا لانا ثابت ہوگیا اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف
اضافت نہیں کی بلکہ اٰلَّذِیْ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ کہا یعنی وہ خدا جس پر بنی اسرائیل
ایمان لائے۔

دوسرے یہ کہ جادوگر ایمان لائے اللہ تعالےٰ پر اور موسےٰ علیہ السلام کے معجزہ پر اور
رسول کے معجزہ پر ایمان لانا عین رسول پر ایمان لانا ہے پس جادوگر صریحًا موسےٰ علیہ السلام
پر ایمان لائے اور فرعون کے کلام میں ہرگز موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا اشارۃً یا صراحۃً نہیں پایا
جاتا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا نام نہ لینا اور بنی اسرائیل کا ذکر کرنا کہ وہ ابتک موسےٰ علیہ السلام کے
ساتھ کافر رہے۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ بعض اہل تصوف نے نقل کیا ہے کہ عذاب دیکھہ لینے کے وقت ایما

کالانانافع ہے پس دعوی اجماع فرعون کے کفر پر کس طرح درست ہوا اسکا جواب یہ ہے اول تو اس نقل کی صحت کلام ہے کہ ایسے صوفیہ نے جو مجتہدین ہیں ایسا کہا ہے کہ انکے قول پر اعتماد ہی اوران کی مخالفت اجماع کے انعقاد کو منع کرتی ہے اور جو نقل صحیح تسلیم کیجاوے تب بھی فرعون کے کفر پر اجماع امت کے انعقاد میں کچھ ضرر نہیں اسلئے کہ نرے باس کا ایمان معتبر نہ ہونے سے فرعون پر کفر کا حکم نہیں کیا گیا ہے بلکہ موسٰے علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ .... بھی اس میں شامل ہی

اگر کہیں کہ ابن عربی ایمان اضطراری کی صحت کے قائل ہوئے ہیں اور اُنہوں نے فرعون کے ایمان پر حکم لگایا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات ابن عربی سے مسلم اور مقرر نہیں ہے یعنی اس باب میں کلام ابن عربی مسلم نہیں ہے اور خطار سے معصوم ہونا انبیار کا خاصہ ہے آیات اور احادیث ایمان باس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں پس بعد موجود ہونے آیۃ اور حدیث کے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ ائمہ صحابہ اور تابعین و مجتہدین نے حدیث اور اجماع کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ غرض جب ثابت ہوا کہ ایمان باس صحیح نہیں تو فرعون کا ایمان نہ لانا بھی ثابت ہے اور اگر تسلیم بھی کریں کہ ایمان باس صحیح ہے تو فرعون کا ایمان جب بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ وہ موسٰے اور ہارون علیہما السلام پر ایمان نہیں لایا۔

یہ ترجمہ کتاب زواجر ابن حجر کا مختصرا اور ملخصا لکھا گیا ہے واللہ اعلم بالبواطن والسرائر والصلوۃ والسلام علی السید الصادق المصدوق محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

وَالْكَبِيرَةُ لَا تُخْرِجُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ عَنِ الْإِيمَانِ اور گناہ کبیرہ نہیں نکالتا بندہ مومن کو ایمان سے جب معلوم ہو چکا کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے اور اعضار کے عمل ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں لیکن بغیر اعمال کے ایمان کامل نہیں ہوتا بلکہ ناقص ہے اور ناقص ہونا کسی چیز کو اسکی حقیقت سے نہیں نکالتا بلکہ اسکو کمال کے درجہ سے نکالدیتا ہے پس ثابت ہوا کہ کبیرہ گناہ بندہ مومن کو ایمان کامل سے نکالدیتا ہے مگر اصل ایمان سے نہیں نکالتا اور گناہ وفسق بندہ کو کافر نہیں کرتا ہاں فاسق اور گنہگار بنا دیتا ہے پس مومن دو طرح کا ہوتا ہے ایک مطیع و فرمانبردار کہ وہ مومن کامل ہے۔ دوسرا عاصی و بدکردار کہ وہ مومن ناقص ہے۔ پس مومن کا اطلاق فاسق اور عاصی پر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور ان پر تمام احکام مسلمانی

Marfat.com

کے جاری ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم فاسقوں اور گنہگاروں کی نمازیں پڑھتے اور انکو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے تھے اور ان کے واسطے دعا و استغفار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گنہگار اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔

گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کبیرہ و صغیرہ۔ کبیرہ وہ ہے کہ اسکا گناہ ہونا یقینی دلیل سے معلوم ہوا ہو یا اسپر وعید آئی ہو جیسا کہ ناحق خون کرنا۔ زنا کرنا۔ لواطت کرنا۔ نیک عورت کو جو کسی کے نکاح میں ہو زنا کی تہمت لگانی۔ دو چند کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جانا۔ جادو کرنا ناحق یتیم کا مال کھا جانا۔ ماں باپ مسلمان کو ناحق ستانا۔ مکہ معظمہ کے حرم کی حد میں جن چیزوں کی ممانعت ہی وہ کرنی۔ بیاج کھانا۔ چوری کرنا۔ شراب اور نشہ کی کوئی چیز پینی یا کھانی۔ سور کا گوشت کھانا۔ جھوٹی گواہی دینی۔ بے عذر سچی گواہی چھپانی۔ بے عذر رمضان شریف کے روزے نہ رکھنے۔ نماز نہ پڑھنا۔ یا نماز کا بیوقت پڑھنا۔ مال کی زکوۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسم کھانی۔ قطع رحم کرنا۔ ناپنے یا تولنے میں خیانت کرنا۔ مسلمانوں کے ساتھ ناحق لڑائی کرنا۔ صحابہ کو برا کہنا۔ رشوت لینا۔ حاکم وقت سے کسی کی چغلی کھانی۔ باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنا۔ قرآن شریف یاد کرکے بھول جانا۔ کسی جاندار کو آگ میں جلا دینا۔ عورت کو مرد کی نافرمانی کرنی۔ مرد کو عورت پر ظلم کرنا۔ جورو خاوند میں لڑائی ڈلوانی۔ علماء دین اور حافظوں کی اہانت کرنی۔ اللہ تعالےٰ کی مغفرت سے نہ امید ہونا۔ اور اسکے عذاب سے بیخوف ہونا۔ یہ تمام مولانا جلال الدین دوانی نے رویانی سے نقل کیا ہے۔ رویانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں بعض علماء نے ان پر اور زیادہ کئے ہیں انکے معلوم کرنیکا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شرع شریف میں جسکے واسطے وعید کا آنا یقیناً معلوم ہوا وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ گناہ صغیرہ ہے گناہ صغیرہ میں ایسی سختی نہیں ہے اسواسطے کہ اس سے بچنا مشکل ہے اور مذہب مختار یہی ہے کہ گناہ صغیرہ تقوی میں نقصان نہیں پہنچاتا بشرطیکہ اسپر استمرار نہ ہو۔ گناہ کبیرہ کرنیوالے کے دین میں اگرچہ نقصان اور ایمان میں ضعف ہے مگر وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں مومن ہی ہے

فرقہ خارجیہ کبیرہ بلکہ صغیرہ گناہ کرنے والے کو بھی کافر کہتے ہیں اس مذہب کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا۔ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر ہے یہ پہلا مسئلہ ہے جو

اہل اسلام کے دین میں تمام مسلمانوں کے اجماع کے برخلاف پیدا ہوا ہے اور معتزلہ ہی پہلا فرقہ ہے جس نے مسلمانی کی بنا میں رخنہ ڈالا ہے اپنی عقل وخواہش کی متابعت کی ہے نصوص ظاہری کی تاویل کی ہے (خذاھم اللہ) یہ مذہب بالکل باطل اور رائے سخیف ہے اسواسطے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو دو قسم پر بنایا ہے مومن اور کافر چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ سوائے ان دو کے کوئی تیسری قسم نہیں ہے حقیقت میں ان لوگوں نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے کی قدر ہی نہیں کی کہ ایمان کی قوت اور نورانیت کے مقابلہ میں تمام گناہ بے حقیقت ہیں جیساکہ نیکیاں باوجود کفر کے کچھ فائدہ مند نہیں ہوتیں اسی طرح بدیاں بھی ایمان پر غالب نہیں آسکتیں اور ضرر نہیں پہنچاتیں ہاں ایمان کے کمال میں فرق آجاتا ہے اور اگر بطور استخفاف کے گناہ کرے یعنی حرام کو حلال جانے اور گناہ کو کچھ نہ سمجھے یہ کفر ہے اور تصدیق قلبی کے خلاف ہے اور جو حرام کو حرام سمجھے اور گناہ کو گناہ جانے مگر بشریت سے خواہش نفسانی غالب ہو جاتی ہے گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو کافر نہیں ہوتا کیونکہ تصدیق قلبی جو ایمان کی حقیقت ہے دل میں موجود ہے پس ایسا شخص مسلمان ہے مگر اسکے اعضاء اور جوارح نافرمان ہیں دل کا کہنا نہیں مانتے خصوصاً ایسے وقت کہ عذاب کا خوف اور مغفرت کی امید اور توبہ کا ارادہ ہو۔ باوجود اسکے مغرور ہونا نہیں چاہیئے کہ گناہ کی نحوست دل کی صفائی اور ایمان کی تازگی کو اسطرح کھو دیتی ہے کہ نام ونشان باقی نہیں رہتا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور کفر سے ایک درجہ نزدیک کر دیتی ہے اور جو عادت ہو جاوے اور ہمیشہ گناہ میں مبتلا رہے تو کفر سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ سے گناہ ہوتا ہے اسکے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اگر توبہ کرے تو جاتا رہتا ہے ورنہ بڑھتا جاتا ہے اور تمام دل کو سیاہ کر دیتا ہے اسمیں ایمان کی اور حق بات سننے کی جگہ نہیں رہتی ختم اور طبع کے یہی معنی ہیں جو قرآن شریف میں ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پہلی آیۃ کے معنی یہ ہیں ایسا نہیں جیساکہ وہ گمان کرتے ہیں بلکہ انکے دلوں میں زنگ پیدا ہو گیا۔ دوسری آیۃ کے یہ معنی ہیں مہر کر دی اللہ نے انکے دلوں پر۔ تیسری کے معنی بھی یہی ہیں مہر کر دی اللہ تعالےٰ نے انکے دلوں پر۔

پس گناہ اگرچہ مومن کو ایمان سے باہر نہیں لاتا لیکن کفر میں پڑ جانے کا خوف ہو جاتا ہے

Marfat.com

سلامتی اسی میں ہے کہ دنیا کو بقدر ضرورت اختیار کرے وہ تین چیزیں ہیں اوّل اسقدر کھانا کہ بھوک روک سکے دوم اسقدر کپڑا جس سے ستر عورت ہو جاوے سوم اتنا مکان کہ گرمی جاڑے سے پناہ دیسکے اور حد ضروریات سے تجاوز کرکے مباحات کے میدان میں قدم رکھنا اور توسع کا دروازہ اپنے اُوپر کھولنا شبہات و مکروہات میں پڑ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ محرمات تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس اسلام کی سرحد تو یہاں تک ختم ہوگئی اسکے آگے کفر کا گھر ہے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ حاصل کلام یہ کہ کمال اور نقصان کی ترقی اور تنزل کے یہی دو راستے ہیں کمال اور ترقی ایمان کے لانے اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں کے بجالانے اور مرتے دم تک اسپر قائم رہنے اور بقدر ضرورت دنیا سے حاصل ہوتی ہے۔ اور تنزل ضرورت سے زیادہ شبہات اور حرام میں پڑنے سے پیدا ہوتا ہے اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ کام کی حقیقت اور حال کی سلامتی خوف اور رجا کے درمیان ہے۔

وَاَهْلُ الْکَبَائِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا یَخْلُدُ فَانَ فِی النَّارِ وَاِنْ مَاتُوْا مِنْ غَیْرِ تَوْبَةٍ اور مومن کبیرہ گناہ کرنے والے ہمیشہ آگ میں نہیں رہیں گے۔ اگرچہ بے توبہ مریں کیونکہ جب بندہ کبیرہ گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور قرآن و حدیث سے ثابت ہو چکا کہ ہمیشہ آگ میں رہنا خاص دین کے منکروں اور کافروں ہی کے واسطے ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ گنہگار و مرتکبان کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے اگرچہ توبہ کے بغیر مریں جبتک خدا تعالےٰ چاہیگا انکو عذاب کریگا اور دوزخ میں رکھے گا آخر پاک کریگا اور بہشت میں پہنچاویگا۔ پھر کبھی وہاں سے باہر نہیں لاویگا۔ امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ٹھیرنا بعض گنہگاروں کا دوزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اور بعض کا ایک دن اور بعض کا ایک مہینا اور بعض کا ایک برس بعض کا اس سے زیادہ لیکن دنیا کی عمر سے زیادہ کوئی گنہگار دوزخ میں نہیں ٹھیریگا اور وہ مدت سات ہزار برس کی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک اور ایسا ہی روایت کیا ہے ابن ابی حاتم اور ابن شاہین نے علی رضی اللہ عنہ سے وَاللّٰہُ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالےٰ نے اس آیۃ میں خبر دی ہے کہ مشرک اور کافر کو ہرگز نہیں بخشے گا باقی گناہ صغیرہ اور کبیرہ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو چاہے بخشے اور چاہے پکڑے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ

اہل کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے خواہ بلا توبہ مریں۔

اللہ تعالیٰ مشرک کو نہ بخشیگا اور جسکو چاہیگا بخشدیگا

اللہ جو چاہے کرے اور جو ارادہ فرماوے حکم دے۔ حاصل یہ کہ آدمی دو قسم کے ہیں مومن اور کافر مومن بھی دو طرح کے ہیں مطیع اور عاصی۔ عاصی بھی دو قسم ہیں توبہ کرنے والے اور توبہ سے محروم پس کفار اجماعاً ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور مومن مطیع اور عاصی توبہ کرنے والے بالاتفاق جنّت میں رہیں گے رہا وہ گنہگار جس نے توبہ نہ کی ہو اگر خدا چاہیگا اسے عذاب کرے گا اور اسکے گناہوں کے مقدار دوزخ میں داخل کریگا اور عذاب کے بعد پھر جنّت میں داخل فرماویگا اور جو چاہیگا کسی کی شفاعت سے یا بغیر شفاعت کے جنت میں داخل کردیگا عذاب نہیں دیگا۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَآءُ (جسکو چاہے عذاب میں ڈالے اور جسکو چاہے بخشدے) سے یہی مراد ہے۔ گناہوں کے بخشدینے میں بہت حدیثیں ہیں ایک وہ حدیث ہے جو سوال کے باب میں مذکور ہوئی اور اسی کی مانند یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کریگا اور اسکا اعمال نامہ اُسکے ہاتھ میں دیگا وہ دیکھے گا کہ اسمیں گناہوں کے سوا اور کچھ نہیں اور اعمال نامہ کی پشت پر نیکیاں ہونگیں کہ تمام خلائق اسکی نیکیوں ہی کو دیکھے گی بدیاں مخلوق سے پوشیدہ رہینگی۔ پس اللہ تعالیٰ فرماویگا اے بندے میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے تھے آج بخشدیئے اب بہشت میں جا ہمیشہ وہاں رہ۔ یہ سب اللہ تعالےٰ کا حکم ہے عقل کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہے کہ یہ بات زبان پر لاوے کہ کافر کو کیوں بخشا اور کسواسطے ایک کو بخشا اور دوسرے کو پکڑا يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے جس بات کا ارادہ کرتا ہے پس ظاہر ہوا کہ اسکا حکم ایسا ہے کہ وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا اور ممکن ہے کہ وعید میں خلاف ہو یہ صرف اسکا کرم ہے کہ کریموں کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ جب انعام و احسان کا وعدہ کرتے ہیں اُسے ضرور پورا کرتے ہیں کہ الکریم اِذَا وَعَدَ وَفَا جب غصّے اور عذاب سے ڈراتے ہیں تو اس سے درگذر کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ وعدہ اور وعید دونوں کے خلاف نہیں کرتا ورنہ اسکی خبر میں جھوٹ لازم آوے اور وہ جھوٹ سے پاک ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ وعید کی خبروں میں ممکن ہے کہ اسکے کرم کے مقتضا کے موافق مشیت کی شرط مقدر ہو اگرچہ اسکی تصریح نہیں ہے اور وعدے جیسے ہونے والے تھے ویسے ہی ہوں اور وہ آیتیں اور حدیثیں جنمیں مشیت کا

بیان ہے تقدیر مشیت کا قرینہ ہو لیا وعید کی خبروں سے استحقاق عذاب کا مراد ہو نہ اسکا وقوع بالفعل مراد ہے یا فقط انشاء وعید مراد ہے حقیقۃً خبر مراد نہیں - ان سب صورتوں میں کذب اور تکذیب لازم نہیں آتی واللہ الموفق وھو اعلم۔

وَيَجُوْزُ الْعِقَابُ عَلَى الصَّغِيْرَةِ اور چھوٹے گناہ پر عذاب ہو سکتا ہے اسلئے کہ جب کفر کے سوائے سب گناہوں پر مواخذہ و عذاب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور صغیرہ بھی گناہ ہے تو اسپر بھی مواخذہ اور عذاب جائز ہوا۔ ممکن ہے کہ گناہ صغیرہ پر سزا دے

وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَرْسَلَ رُسُلًا مِّنَ الْبَشَرِ اِلَى الْبَشَرِ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَمُبَيِّنِيْنَ لِلنَّاسِ مَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ اور اللہ تعالے نے رسول بھیجے آدمیوں میں سے آدمیوں کی طرف جنت کی خوشی سنانے والے اور دوزخ سے ڈرانے والے اور آدمیوں کو دنیا اور دین کے وہ کام بتانے والے جنکی طرف انکو حاجت پڑے اللہ تعالے پر کوئی چیز واجب نہیں ہے وہ خود فاعل و مختار ہے جو چاہتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے نہ اسکو ضرورت ہے اور نہ وہ کسی کا مجبور اور محکوم ہے نہ عقل کسی چیز کے واجب ہونیکا اسپر حکم کرتی ہے کہ خود اسکی محکوم ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل و کرم سے وہ چیزیں کہ عالم کے باقی رہنے کا اور انسان کے کمال کا سبب ہوں اور اسکے دنیا و آخرت کے کاموں میں درستی و اصلاح کا باعث ہوں اپنے اوپر مقرر و لازم کرلی ہیں اور وہی ان کا ضامن و کفیل ہے جیسے رزق کا دینا بندوں کو ہدایت کرنا پیغمبروں کو بھیجنا - یہ کام اسپر واجب نہیں بلکہ اپنی عادت سے محض اپنے فضل و کرم سے ان کاموں کو کرتا ہے - اور جبکہ عام مخلوق کو اتنی استعداد اور ایسی قابلیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالے کی جناب سے بے واسطہ فیضیاب ہو سکیں اور انکو عالم ملکوت تک پہنچنا نہایت دشوار ہے ہوا سطے انہیں آدمیوں میں سے بعض کو برگزیدہ کیا اور انکو اپنی ذات و صفات اور افعال کا علم سکھایا اور جن امور میں انسان کی بھلائی تھی وہ انکو سکھا دیئے اور خلقت کی طرف انکو بھیجا کہ وہ مخلوق کو خدا تعالے کی طرف بلاویں ہدایت کا راستہ سکھاویں اور جن چیزوں کی دنیا و آخرت میں ضرورت ہے وہ تبلاویں۔ اللہ تعالے نے رسول دنیا میں بھیجے ہیں

دوسرے یہ کہ اللہ کریم نے بہشت کو پیدا کیا اور اسمیں نیکوں کے واسطے مقام مقرر کیا اور دوزخ بنایا اسکو نافرمانوں کے واسطے تجویز کیا اب ایسے کاموں کا معلوم کرنا جو اچھے ہوں اور بہشت میں لیجاویں یا برے ہوں اور دوزخ میں لیجاویں صرف عقل کا کام نہیں اسواسطے انبیاء کو بھیجا تاکہ وہ مخلوق کو بتلاویں کہ فلاں کام اچھے ہیں اور فلاں برے پھر خلق کو حجت اور عذر باقی نہ رہے چنانچہ فرمایا لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ تاکہ نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کی جگہ رسولوں کے آنے کے بعد۔ اور فرمایا وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے عالموں کے۔ فی الواقع تمام علوم کے مادے اور انکے اصول خواہ زمین کے متعلق ہوں یا آسمان کے متعلق ہوں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے ذریعہ سے تمام مخلوق کو پہنچے ہیں علم کا مبدأ اور چشمہ وحی آسمانی ہے تمام عالم اور حکیم اُسی سے علوم حاصل کرتے ہیں سب نے اسی سرچشمہ سے پانی پیا ہے یہ ممکن ہے کہ قیاس یا اجتہاد یا ریاضت و مجاہدہ کے سبب علماء نے اور باتیں بڑھائی ہوں مگر وہ اسکی شرح اور تفسیر ہے۔ اگر یہ خیال گذرے کہ بعض علوم شریعتوں کے مخالف ہیں اسکا کیا سبب ہے۔ جواب اسکا یہ ہے کہ سنت اللہ اسیطرح ہے کہ شرائع سابقہ منسوخ ہوں وقت کے موافق احکام بدلے جائیں جب یہ صورت ہوئی بعض اشخاص پہلے دین پر رہے اور نئے پیغمبر کی متابعت کے مخالف ہوئے اور محروم رہے بعض نے تحریف کرکے بہت چیزیں بڑھا دیں اور ایک جماعت ایسی ہوئی کہ انھوں نے اپنی عقل بوالفضول سے اوہام باطلہ اور خیالات واہیہ کو دخل دیکر قیل وقال اور بحث وجدال کا دروازہ کھولدیا۔ اور ایک فرقہ کا یہ اعتقاد جم گیا کہ حکیموں نے صرف اپنی ریاضت و استدلال سے بغیر کسی کے پڑھائے علوم ایجاد کئے ہیں کسی کا واسطہ بیچ میں نہیں یہ اعتقاد و خیال غلط اور نہایت بعید ہے علم کے حاصل کرنے کا ذریعہ استاد ہی ہے اور مطالب زیادہ حاصل ہوں وہ فہم و استنباط سے ہو سکتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم اسمیں اشارہ ہے کہ علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور حلم بردباری سے آتا ہے۔

وَاَيَّدَهُمْ بِالْمُعْجِزَاتِ الْبَاهِرَةِ وَالْاٰيَاتِ السَّاطِعَةِ لِفَيْدَةِ لِلْيَقِيْنِ اور تائید فرمائی اللہ تعالےٰ نے انبیاء کی ظاہر معجزوں اور چمکتی نشانیوں

Marfat.com

کے ساتھ جن پر یقین اور ایمان حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ ہر ایک دعوی کے واسطے دلیل کی ضرورت ہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام جو رسالت کا دعوی کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ہم سفیر ہیں مابین پروردگار اور مخلوق کے معجزوں کا ان سے ہونا انکے دعوی کی دلیل ہے۔

معجزہ اس خرق عادت کو کہتے ہیں جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور اسکے دعوی کے موافق ہو نبی کے سوائے غیر نبی اسکے لانے سے عاجز ہو۔ خرق عادت کے یہ معنی ہیں کہ بغیر سبب ظاہری کے وہ کام نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ یعنی حکیم مطلق نے دنیا میں تمام کام اسباب پر موقوف رکھے ہیں سنت الٰہی یہی ہے کہ بغیر سبب کے کام پیدا نہیں کرتا اسی کو عادت کہتے ہیں اور کبھی اپنی قدرت سے عادت کو توڑ کر بے سبب اپنے رسول کے ہاتھ پر اس کام کو پیدا کر دیتے ہیں تاکہ اسکی رسالت کی دلیل ہو پس معجزہ فعل اللہ ہی کا ہے نہ رسول کا اسواسطے کہ اللہ تعالےٰ کی عادت کا توڑنا بندہ سے ممکن نہیں ہے۔ معجزہ نبی کے سچے ہونے کی دلیل یقینی ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی نبی کے سچے ہونے کا علم بے اختیار دل میں حاصل ہو جاتا ہے اور نفس اسکی تصدیق میں مجبور ہو جاتا ہے انکار کی طاقت اور مجال نہیں رہتی نفس کی جبلی اور پیدائشی خاصیت یہی ہے۔ نبوت کا دعوی ایک امر عظیم ہے اسواسطے برہان بھی ایسی ہی چاہیئے کہ اعلےٰ درجہ کی ہو پس معجزہ اللہ تعالےٰ کی قدرت اور قہر کا نمونہ ہے اس کے غلبہ اور رعب کے آگے کسی کا پاؤں نہیں جمتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے بخلاف دلائل عقلیہ و نقلیہ کے گویا چند گرہ ہیں کہ خیال کے تاگے میں لگائی ہیں ان سے دشمن کو الزام دینا اور مخالف کو ساکت کر دینا نہایت مشکل ہے نزاع اور جدال کا راستہ ان سے بند نہیں ہوتا۔ چنانچہ علم کلام اور فلسفہ کے دلائل اسی قسم کے ہیں۔

پس اگر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی کوئی کافر رہے یہ کفر اسکا صرف عناد اور ازلی بدنصیبی کے سبب ہے۔

وَاَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ آدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَآخِرُھُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام ہیں اور سب کے آخر میں یعنی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ اللہ کریم نے فرمایا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

Marfat.com

پیغمبری سے دین کا کامل کرنا اور مکارم اخلاق کا پورا کرنا تھا جب یہ مقصود حاصل ہو گیا اور دین و اخلاق دونوں پورے و کامل ہو چکے تو حضور کے بعد اور کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی حضور کے خلفاء اور دین کے علماء جو اسلام کے مددگار اور محافظ ہیں۔ قیامت تک اسلام کی نگہبانی اور اسکی اشاعت کے واسطے کافی ہوئے۔

انبیاء کی تعداد کا معین نہ کرنا بہتر ہے

وَالْاَولٰی اَنْ لَا یُعَیِّنَ عَدَدُھُمْ بہتر یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد مقرر نہ کریں اگرچہ بعض حدیثوں میں ہے کہ تمام پیغمبر ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں لیکن قرآن مجید میں فرمایا ہے مِنْھُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَ مِنْھُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ یعنی بعض انبیاء کا حال ہم نے تمہارے سے بیان کیا اور بعض کا بیان نہیں کیا یعنی انکا نام بھی نہیں بتلایا اور نہ احوال ذکر کیا اور ممکن ہے کہ اس خبر کے بعد فرما دیا ہو لیکن قرآن مجید میں نہیں فرمایا اس کے مجمل اور پوشیدہ رکھنے میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم۔

ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے

اور ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ پیغمبر ہیں اور اکثر کہتے ہیں کہ وہ مسلمان عادل بادشاہ تھے اور یہی حق ہے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض ذوالقرنین کو فرشتہ کہتے ہیں مگر یہ بات نہایت بعید ہے۔ نام مین بھی اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ انکا نام اسکندر ہے بعض نے عبداللہ و مرزبان و مرزبی و ہرمن سوائے انکے اور بھی بیان کئے ہین اور یہ اسکندر رومی فیلقوس کا بیٹا ہے جس کے مصاحب حضرت خضر تھے اور جس نے آبحیات کے چشمے طلب کئے اور نہ پایا اور اسکندر یونانی دوسرا تھا وہ یونان یافث کے بیٹے نوح علیہ السلام کے پوتے کی اولاد میں تھا ارسطو اسکا وزیر تھا اور اکثر کا قول ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا بعض کہتے ہیں کہ موسےٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے اور بقول ابن عبدالحق کہ امام حدیث و تفسیر کے ہیں وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ چار شخص مشرق سے مغرب تک دنیا کے مالک ہوئے ہیں دو مسلمان ایک حضرت سلیمان علیہ السلام۔ دوسرا ذوالقرنین۔ دو کافر ایک نمرود۔ دوسرا بخت نصر اور پانچوین امام مہدی علیہ السلام ہونگے۔ کہ آخر زمانہ میں پیدا ہونگے۔ سکندر کا نام ذوالقرنین ہونے میں

کئی قول ہیں وھب بن منبہ کہتے ہیں کہ دوقرن زمین کا مالک تھا یعنی زمین کے دونوں جانب مشرق اور مغرب کا مالک تھا۔ یا ایک روم دوم فارس۔ یا ایک روم دوم ترک۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسکے دو گیسو تھے اسواسطے اُسے ذوالقرنین کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اسکے سر پر دو سینگ بیل کی مانند تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے دو قرن بادشاہت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہاد میں اسکے سر پر دونوں طرف دو زخم آئے تھے اسلئے اسکو ذوالقرنین کہتے ہیں اور ابن کو اسے جو اصحاب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے ہیں کسی نے پوچھا کہ ذوالقرنین پیغمبر تھا کہا کہ نہیں مگر مرد صالح تھا خدا تعالےٰ کے رستہ میں اسکے سر پر داہنی طرف زخم آیا اور مر گیا اللہ تعالےٰ نے اسکو زندہ کر دیا پھر بائیں طرف زخم آیا اور مر گیا۔ خدا تعالےٰ نے پھر جلا دیا اسوقت سے اسکا نام ذوالقرنین ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آفتاب تک پہنچا اور اسکے دونوں طرفوں کا مالک ہو گیا جب سے اسکا نام ذوالقرنین ہو گیا واللہ اعلم۔

لقمان کی نبوت میں بھی اختلاف ہے۔ یہ حضرت ایوب علی نبینا وعلیہ السلام کے خواہرزادہ تھے بعض کے نزدیک خالہ زاد بھائی تھے بعض کہتے ہیں کہ نبی تھے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ ولی اللہ اور حکیم تھے ہزار پیغمبروں کی خدمت اور شاگردی کئے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے یہ منقول ہے کہ لقمان نبی تھے بادشاہ نہیں تھے بلکہ غلام حبشی تھے بکریاں چرایا کرتے تھے اللہ تعالےٰ نے انکو برگزیدہ کیا اور حکمت و عقل و جوانمردی عطا کی اور اپنی کتاب میں انکا ذکر کیا۔ لقمان کی نبوت میں اختلاف ہے

حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت صحیح امر یہ ہے کہ وہ نبی معمر بڑی عمر والے ہیں مخلوق کی آنکھوں سے محجوب ہیں اب حیات پئے ہوئے ہیں قیامت تک زندہ رہیں گے بعض کے نزدیک ولی ہیں لیکن جو فرشتہ کہتے ہیں انکا قول باطل ہے اور جمہور اہل علم و صلاح کا یہی قول ہے کہ وہ زندہ ہیں اور نہیں مرینگے۔ جب تک کہ دنیا سے قرآن مجید نہیں اٹھایا جاویگا۔ حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ وہ نبی ہیں سخاوی نے بھی یہی کہا ہے اور قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ خضر خ کے زبر اور ضاد نقطہ دار کے زبر سے اور خ کسرہ کے زیر اور ضاد نقطہ دار کے سکون سے ہے انکا نام بلیا بن ملکان ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ فرعون کے حضرت خضر علیہ السلام کا بیان

پسر تھے مگر یہ قول نہایت غریب اور شاذ ہے بعض کہتے ہیں مالک کے پسر الیاس کے بھائی ہیں بعض کے نزدیک آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں واللہ اعلم۔ حاصل کلام یہ ہے کہ باتفاق مشائخ صوفیہ اور بقول جماہیر علما حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور محدثین کی ایک جماعت جن میں امام بخاری و ابن المبارک اور حربی و ابن جوزی ہیں حضرت خضر کی حیات کا انکار کرتے ہیں ان حضرات محدثین کی دلیل وہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے زمانہ کے قریب فرمایا کہ کوئی جاندار روئے زمین پر سو برس کے بعد باقی نہیں رہیگا مگر اس حدیث میں تاویلات ہیں اور خضر علیہ السلام کی ملاقات اولیاء اللہ سے شہرت کے درجہ کو پہنچی ہے اور اُنھوں نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالے عنہم سے تعزیت کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا لَوْ کَانَ الْخَضِرُ حَیًّا لَزَارَنِیْ یعنی اگر خضر زندہ ہوتے تو مجھسے ملتے ملاقات سے پہلے کا ہی اس قسم کی ملاقات عرف و عادت پر ہے اسواسطے کہ خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیثین نقل کی ہیں اور بعض مشائخ رحمہم اللہ نے وہ حدیثیں ان سے سُنی ہیں۔

حضرت مریم اور آسیہ و سارہ و ہاجرہ وحوا اور اُمّ موسیٰ میں جنکا نام یوجلند ہے علیہن السلام کی نبوت میں ایک قول آیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص ہے اور قرآن شریف میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ یعنی اور ہم نے نہین بھیجے آپ سے پہلے رسول مگر مرد جنکی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں اگرچہ قرآن میں ان عورتوں کی طرف بھی وحی کی نسبت واقع ہوئی ہے اور انکو پیغمبروں کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن اس سے انکی پیغمبری اور نبوت پر حکم نہ کرنا چاہیئے کہ وحی سے ان مقامون پر الہام و اعلام مراد ہے چنانچہ فرمایا وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اور تیرے رب نے وحی بھیجی شہد کی مکھیوں کی طرف اور انبیاء کے ساتھ انکا ذکر انکی بزرگی و اکرام کے واسطے ہے۔

وَكُلُّهُمْ كَانُوْا مُبَلِّغِيْنَ عَنِ اللّٰهِ صَادِقِيْنَ

مَعْصُوْمِيْنَ غَيْرَ مَعْزُوْلِيْنَ یعنی تمام انبیاء اللہ تعالے کی طرف سے احکام پہنچانے والے اور سچے اور گناہوں سے پاک تھے اور معزول نہیں ہوئے اپنے منصب نبوت سے یعنی جو کچھ

پیغمبروں نے کہا سب سچ کہا اور جو کچھ لائے خدا تعالےٰ کے پاس سے لائے جو امر و نہی کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کرتے ہیں گناہوں سے معصوم ہیں جب معجزہ سے رسالت کا دعوی ثابت ہوا اب جو کچھ وہ کہتے ہیں سب اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہتے ہیں وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ اور نہیں رسول کے ذمہ سوائے پہنچانے کے اور اگر وہ جھوٹ بولیں جو حکمت انکے ارسال سے ہے وہ باطل ہو جائے اور اگر گناہ کریں خلقت ان سے نفرت پکڑے نصیحت اور ارشاد کا راستہ مسدود ہو انبیاء کی عصمت جھوٹ بولنے اور کبیرہ گناہ کرنے سے مطلق ہے نہ قصداً گناہ کرتے ہیں اور نہ بھولکر گناہ کرتے ہیں صغیرہ گناہ بھی ان سے عمداً نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک کبیرہ بھولے سے اور صغیرہ قصداً جائز ہے لیکن وہ گناہ جو نفرت کا سبب ہو اور خسّت پر دلالت کرتا ہو وہ کسی صورت میں جائز نہیں جیسے چوری ایک لقمہ کی یا حقیر چیز کی یا شلالین دین میں ایک رتی بھر کی کمی اور جمہور اہل سنت کے نزدیک مختار یہی ہے کہ معصوم ہیں کبائر و صغائر سے عمداً و سہواً اور انکے مرتبہ عالی اور منصب عظیم کے لائق بھی یہی ہے صلوات اللہ علیہم اجمعین ایسا ہی ذکر کیا ہے بعض فقہاء اور محدثین ساکنین مدینہ نے قصیدہ امالیہ کی شرح میں۔ احکام الٰہی کے پہنچانے میں اور اُن کاموں میں جو رسالت کے متعلق ہیں ہرگز ہرگز ان سے سہو نہیں ہوتا ہاں انکے سوا اور افعال میں سہو ہو سکتا ہے چنانچہ سجود سہو کے باب میں مذکور ہے اور وہ خطائیں اور لغزشیں جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نسبت مذکور ہیں بعض ان میں سے صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں انکی تاویلات ہیں کتابوں میں مذکور ہیں انکے ظاہر کا معتقد نہ ہونا چاہیئے۔

اور انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم معزول نہیں ہوتے اللہ کریم نے اپنے فضل و کرم سے جو مرتبہ رسالت اور نبوت کا انکو عطا فرمایا ہے وہ اُنسے الٹا واپس نہیں لیتا رسالت موت کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ انبیا علیہم السلام کو موت نہیں وہ زندہ اور باقی ہیں ان کے واسطے وہی ایک موت ہے جو ایک دفعہ ہو چکی اسکے بعد انکی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو حیات ان کو دنیا میں تھی وہی عطا فرماتے ہیں یہ حیات انبیاء شہدا کی حیات سے کامل تر ہے کیونکہ شہدا کی حیات معنوی اور پوشیدہ ہے۔

اور نسخ ہونا شریعت کا نبوت سے معزول ہونا نہیں ہے اور اولیاء معزول ہو

Marfat.com

خوف سے اور خاتمہ کے ڈر سے دنیا میں بے خطر نہیں ہیں اگر ایمان پر گئے ہیں مومن اور ولی ہیں جیسے مثلاً خواب کی حالت میں ہوں۔

قبروں سے استعانت و استمداد میں فقہاء کو کلام ہے یہ کہتے ہیں کہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے قبور کی زیارت سے مقصود صرف عبرت اور موت کا یاد کرنا ہے یا موتی کو نفع پہنچانا اور ان کے حق میں استغفار کرنا اسی طرح حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیارت قبور بقیع غرقد میں ثابت ہے۔ اور مشائخ صوفیہ صافیہ قدس اللہ اسرارہم کہتے ہیں کہ بعض اولیاء کا تصرف عالم برزخ میں بھی باقی رہتا ہے اور انکی ارواح مقدسہ سے توسل و استمداد ثابت اور فائدہ مند ہے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جن حضرات سے بحالت حیات انکے توسل اور برکت حاصل کرتے تھے بعد وفات بھی ان سے توسل اور برکت حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماع سے ثابت ہے اور بحالت حیات و بعد وفات روح ہر حال میں متصرف ہے بدن کو تصرف سے کچھ تعلق نہیں اور متصرف حقیقی اللہ تعالےٰ ہے ولایت کے معنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں یہ نسبت موت کے بعد پوری اور کامل ہو جاتی ہے۔ اہل کشف اور محققین کے نزدیک یہ بھی ثابت ہے کہ زیارت کرنے والے کی روح اہل مزار کی روح سے انوار اور اسرار کا عکس قبول کرتی ہے جیسے آئینہ کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ ہو اور اسمیں عکس پڑے۔ اولیاء اللہ کے بدن مثالی بھی ہوتے ہیں جن سے وہ ظاہر ہو کر طالبان کی امداد کرتے ہیں اور جو صاحب اسکے منکر ہیں انکے پاس کوئی دلیل نہیں۔

ایک بزرگ نے مشائخ میں سے فرمایا ہے کہ میں نے اولیاء اللہ میں سے چار ایسے دیکھے ہیں کہ اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں جیسا تصرف زندگی میں کرتے تھے ایک حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ۔ دوم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دو اور بیان کئے غرض یہ کلام شرح اور بسط کا طالب ہے خدا چاہے تو ایک رسالہ میں تفصیل کے ساتھ اسکا بیان کیا جاویگا اور تھوڑا سا کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں کہ مدینہ منورہ کے بیان میں ہے لکھا گیا ہے واللہ اعلم۔

وَاَفْضَلُ الْاَنْبِيَاءِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

اور سب پیغمبروں میں افضل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں حضور کی نبوت معجزات

ظاہرہ اور آیات باہرہ سے ثابت ہے جنکی نقل تواتر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ ہر ایک نبی کے معجزے ایک جنس یا دو جنس سے خاص تھے اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہر جنس میں تھے اور بہت تھے یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور کا تصرف تمام اجزاء عالم میں تھا زمین میں آسمان میں ملک و ملکوت میں جو کمالات تمام انبیاء سابقین کی ذوات مقدسہ میں پائے جاتے تھے حضور کی ذات عالیہ میں وہ تمام کمالات جمع تھے ع انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ حضور نے فرمایا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کا سردار ہوں اور یہ کچھ فخر یہ نہیں ہے وُلد آدم اور بنی آدم کا لفظ جنس آدم کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے پس آدم علیہ السلام بھی اسمیں داخل ہوئے چنانچہ دوسری حدیث میں فرمایا اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَہٗ تَحْتَ لِوَائِیْ یعنی آدم علیہ السلام اور جو انکے سوا ہیں میرے نشان کے نیچے ہونگے بعد حضور کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فضیلت اور بزرگی ہے انکے بعد موسےٰ اور عیسیٰ اور نوح علیہم السلام ہیں یہ پانچ رسول اولوالعزم ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور بزرگ ہیں اللہ تعالےٰ کے راستہ میں انکا مجاہدہ اور صبر سب سے زیادہ ہے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا معجزہ قرآن شریف ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفت اور اسکا کلام قدیم ہے قیامت تک دنیا میں باقی ہے اور معجزے اگرچہ ظاہر ہو کر گذر گئے مگر یہ نقل متواتر ثابت ہیں گویا مشاہدہ میں موجود ہیں۔ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن شریف کے سچے ہونے پر بھی ایک آیۃ بڑی دلیل ہے کہ اُن قریش کے روبرو جو تمام عرب کے فصاحت و بلاغت میں پیشوا سمجھے جاتے تھے دین اسلام اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت دشمن تھے یہ دعوی پیش کیا گیا وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ترجمہ اگر تم کو اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری ہے کچھ شک ہو تو لے آؤ اسکی مانند ایک سورۃ۔ اور اُس زمانہ سے اب تک کسی سے اسکا جواب نہ بن آیا اور ملک عرب میں اسوقت عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا اس فن فصاحت کے بڑے بڑے کامل موجود تھے کہ اُنھوں نے فصاحت کا دعوی روئے زمین پر کیا آسمان تک پہنچایا تھا اس لئے اللہ کریم نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جنس کا یہ معجزہ عطا کیا کیونکہ اکثر پیغمبروں کو اُسی طرح کے معجزے عطا ہوئے ہیں کہ جن چیزوں میں انکے

Marfat.com

ملکوں کے رہنے والوں کو نہایت درجہ کا کمال اور فخر ہوا ہے جیسا کہ موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ مین جادو کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں طب کا بہت چرچا تھا تو انکو اسی قسم کے معجزے عنایت ہوئے اسی طرح آپکے عہد میں عرب کو فصاحت و بلاغت میں کمال حاصل تھا تو آپ کو قرآن مجید کا معجزہ مرحمت ہوا۔ مقام غور ہے کہ وہی کلمات وہی الفاظ وہی حروف اور وہی انکی زبان کہ خاص و عام اور چھوٹے بڑے سب اسکو جانتے تھے اور ہر وقت اُسے بولتے تھے قرآن مجید کے مقابلہ میں ایسے عاجز ہوئے کہ سب کے سب جمع ہو کر بھی ایک آیۃ قرآن کی مانند بنا کر نہ لا سکے۔ روایت ہے کہ جب سورہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کہ قرآن مجید کی پہلی آیۃ ہے نازل ہوئی تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے سے اسکو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا بموجب عادت فصحائے عرب کے کہ جب کسی کلام کو وہ بہت اچھا سمجھتے تھے اور اسپر انکو فخر ہوتا تھا تو اسکو خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیتے تھے تاکہ ہر شخص اسکو دیکھے۔ پس جب ہر شخص کی نظر اس کلام ربانی پر پڑی سب نے اسکو دیکھا اور اس کلام کی متانت اور طرز سخن میں غور کی تو حیران رہ گئے اور یہی کہا کہ یہ کلام آدمیوں کا نہیں ہے اور ایسا کلام لانا آدمی کی قدرت سے باہر ہے۔ معتزلہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآن مجید کی مانند کلام تالیف کرنے کی وہ لوگ طاقت رکھتے تھے لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ نے قرآن مجید کے معارضہ اور مقابلہ سے انکی ہمتوں کو پست کر دیا اور دلوں کو پھیر دیا تھا اور انکے منہوں پر مہر لگا دی تھی اس سبب سے وہ اسکی مانند ایک آیۃ بھی نہ بنا سکے اور اس میدان میں ایک قدم بھی نہ رکھہ سکے۔ اصل مقصود تو اس سے بھی حاصل ہے کہ باوجودیکہ انکو ایسی کلام تالیف کرنیکی قدرت تھی اور اس بات میں مقابلہ اور معارضہ کرنے کی نہایت حرص رکھتے تھے انکی ہمتوں کا اس طرف سے پھر جانا اور ان سب کی زبانوں کا بالکل بند ہو جانا یہ بھی تو اعجاز ہے مگر معتزلہ کا یہ کلام محض بیہودہ اور نرا وہم ہے۔ اُنھوں نے کس طرح اور کس دلیل سے جانا کہ وہ قرآن کی مانند کلام بنانے کی قدرت رکھتے تھے حق یہی ہے کہ کوئی شخص سوائے اللہ تعالےٰ کے ایسے کلام بنانے کی ہرگز قدرت نہیں رکھتا ورنہ اُسوقت سے ابتک کوئی نہ کوئی تو کچھ نہ کچھ بناتا۔ اس مضمون کو خود قرآن مجید بلند آواز سے پکارتا ہے سنو اور غور کرو قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا

Marfat.com

ترجمہ اے محمد کہدو اگر جمع ہوں آدمی اور جن اسپر کہ لاویں ایسا قرآن نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی مدد کریں اس سے زیادہ اور کیا دعوی ہوگا۔ اور اگر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیک عادتیں اور خصلتیں اور صفتیں اور اخلاق حسنہ دیکھیں اور غور کریں تو یقین کامل ہوجاوے کہ آپ کا وجود پاک سر سے پاؤں تک اللہ تعالے کی نشانی اور اعجاز ہے اور بالکل حسن و ناز ہے۔

ہر جلوۂ جمال ترا ناز دیگر است ٭ ہر نغمہ کمال ترا ساز دیگر است ٭ اعجاز حسن را بسخن ہست احتیاج ٭
ہر غمزہ ز چشم تو اعجاز دیگر است ٭

وَھُوَ مَبْعُوْثٌ اِلٰی کَآفَّۃِ الْخَلْقِ اَجْمَعِیْنَ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام خلقت کے رسول ہیں آدمیوں کے اور جنات کے اسیواسطے آپ رسول الثقلین کہلاتے ہیں آپ کی حضور میں جنوں کا حاضر ہونا اور ایمان لانا اور قرآن شریف کا سننا اور اپنی قوم مین جاکر انکو اسلام کی طرف بلانا یہ سب قرآن شریف مین موجود ہے اکثر علماء کے نزدیک انس و جن کی طرف رسالت کا عام ہونا حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے خاص ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے۔ کہ بلاشبہ جن ہمیشہ سے مکلف ہیں اور مکلف جب ہی ہوتے ہیں کہ پیغمبر سے خود سنیں یا کسی ثقہ صادق القول کے ذریعہ سے روایت پہنچے۔ اور اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ جنوں میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ قرآن شریف میں جنوں کا یہ قول مذکور ہے قَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ کہا جنوں نے اے قوم ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو اتری ہے موسے کے بعد۔ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔ بتاتی ہے حق بات اور سیدھی راہ۔ اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ یہ جن پہلے سے موسے علیہ السلام کی شریعت پر ایمان رکھتے تھے اور اسپر چلتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جن اور پیغمبروں پر بھی ایمان لاتے تھے مگر انکے روبرو حاضر نہیں ہوتے تھے فقط کتاب اللہ کو سنکر اور شریعت کے احکام کو معلوم کرکے عمل کرتے تھے اُن پیغمبروں کو بالمشافہ جنوں کی دعوت میسر نہیں ہوئی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے انکو خطاب کیا اور دعوت فرمائی یہ امر بالمشافہ جنوں کو دعوت دینا خصوصیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ یہی مذہب ضحاک کا ہے اور یہ ظاہر ہے انتہی اور بعض نے کہا ہے کہ آپکی رسالت فرشتوں کو بھی شامل ہے پر یہ قول شاذ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں

Marfat.com

ہے۔ اواہل تحقیق کے نزدیک آپکی رسالت عالم کے سب اجزا اور ٹکڑوں پر اور موجودات کی سب قسموں
ہے جمادات ہوں یا نباتات یا حیوانات اور موجودات کے کل ذروں اور تمام چھپی ہوئی چیزوں کی مربی اور
کامل کرنے والی ہے کہ پتھروں کا سلام کرنا اور درختوں کا سجدہ کرنا اور جانوروں کا آپکی رسالت پر گواہی
دینا اسپر گواہ ہے فرق یہی ہے کہ آدمیوں اور جنوں کو اپنے افعال میں ارادے اور اختیار والا پیدا
کیا ہے اسی سبب سے کفر اور گناہ ان سے صادر ہوئے اور باقیوں سے سوا اطاعت اور ایمان کے
اور کچھ ظاہر نہیں ہوا جیساکہ فرشتوں سے اور یہ آیت شریف بھی اسپر دلالت کرتی ہے وَمَا
اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اور نہیں بھیجا ہم نے آپکو اے رسول مگر واسطے رحمۃ عالمین کے
وَمِعْرَاجُهٗ فِي الْيَقَظَةِ بِشَخْصِهٖ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ اِلٰى
مَاشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى حَقٌّ - اور معراج حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاگتے
میں جسم مبارک کے ساتھ آسمان تک ہوا اور اُسکے آگے تک جہانتک اللہ تعالےٰ نے چاہا یہ سب حق ہے
ایمان کا امتحان معراج کی تصدیق میں ہے کہ اتنی تھوڑی دیر میں بیداری کی حالت میں مع جسم اطہر کے
عرش اعظم سے اوپر بلکہ لامکان میں اُن خصوصیات اور قصوں کے ساتھ کہ صحیح حدیثوں میں مذکور
ہیں حضور نے سیر فرمائی یہ نسبت عالم الہ اور روحانیات میں محقق ہے کہ وہ زمانہ کی تنگی اور جہت سے
باہر ہیں۔ بزرگان اہل کشف اور شہود نے اسکو بیان کیا ہے۔

ایمان یہ ہے کہ اس خبر کو سنتے ہی بے توقف و بے تامل اور بلا دریافت اسکی حقیقت اور کیفیت کے
یقین کامل ہو جانا لازم ہے۔ ذرا تردد اور خلجان باقی رہنا نہیں چاہیئے پھر اگر اس حالت کا اور اک
اور اس مرتبے کی حقیقت حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اسپر اطلاع بخشے تو یہ راستہ دوسرا ہے کہ اسکو
اللہ تعالےٰ کی معرفت والے اور درگاہ ربانی کے خاص بندے جو اپنے اوپر سے بشریت کی چادر
دور کرنے والے ہیں جانتے ہیں۔ جہاں سچی محبت اور تسلیم اور کامل ایمان ہے وہاں تصور اور
تامل کرنے کی فرصت کہاں ہے یہاں تو سننا اور ایمان لانا توام یعنی ملے ہوئے ہیں۔ ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اُسی روز سے ہوا کہ اُنہوں نے بے تامل و توقف معراج کے قصے
کی تصدیق کی اور فوراً ایمان لائے اور کتنے مسلمان ایسے شک میں پڑے کہ ان میں سے بعض
مرتد ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پہلے ابتدا میں ایمان لانا بھی بغیر طلب معجزہ

اور دلیل کے تھا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور آیات کا نور اُسوقت چمک رہا تھا مگر اُنھوں نے کچھ دریافت نہیں کیا فوراً بے توقف ایمان لے آئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے تشریف لائے اور اللہ تعالےٰ کے دیکھنے کا حال آپ سے پوچھا تو حضور نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا جواب دیا جسمیں کہلی حقیقت تھی اور بعض کو مجاز کے پردہ میں جواب دیا اور ہر شخص سے اسکی حالت اور استعداد کے مطابق کلام کیا پس معلوم ہوا کہ ہر کوئی اس قابل نہیں ہوتا ہے کہ اُس سے حقیقت ظاہر کیجاوے اور بہید کہولا جاوے۔ بات تو ایک ہی ہے لیکن عبارت اور لفظوں کا فرق ہے اور حق یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہی ہے ورنہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا ہر حال میں ہر شخص کو جائز ہے۔ معراج کی کیا خصوصیت ہے بعض کہتے ہیں دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے اور دل سے جاننا اور ہے واللہ اعلم۔

وَاُمَّتُهٗ خَيْرُ الْاُمَمِ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت سب امتوں سے بہتر ہے جیساکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب نبیوں سے افضل اور بہتر ہیں فرمایا قرآن شریف میں كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اے اُمت محمدیہ تم بہترین امتوں کے ہو جو نبی آدم میں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ تمہاری عمر اور بقا کا زمانہ پہلی امتوں کی عمروں اور بقا کے زمانہ کی نسبت ایسا حکم رکھتا ہے کہ جیسا عصر سے مغرب تک کا وقت کہ باوجود تھوڑے ہونے وقت کے تم کو اول سے زیادہ ثواب دینگے اور تمہارے حال کی یہود اور نصاری کے حال کی نسبت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے کئی مزدوروں سے مزدوری کرائی ایک مزدور سے صبح سے ظہر کے وقت تک اور ایک قیراط مزدوری کا اس سے مقرر کیا دوسرے سے ظہر سے عصر تک اور اسکے لئے بھی اتنی دیر کا ایک قیراط مقرر کر دیا اور تیسرے سے عصر سے مغرب تک اور اسکے دو قیراط ٹھہرائے اور دیئے پس پہلے دونوں بہت غصے ہوئے اور جھگڑنے لگے کہ اس تفادت کا کیا سبب ہے ہم دونوں نے اس سے بہت زیادہ مزدوری کی اور ایک ایک قیراط پایا اور اسکو تھوڑی مزدوری پر دو قیراط ملے اسکا کیا باعث۔ اس شخص نے جواب دیا کہ تم سے جو مزدوری ٹھہرائی تھی حوالہ کردی اور اسکو ہم نے اپنے فضل سے زیادہ دیا کہ ہم کو اپنے مال کا اختیار ہے جیسے چاہیں

اُمت محمدیہ تمام اُمتوں سے افضل ہے

دیدیں۔ سو اول سے یہود کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے سے نصارا کی طرف اور تیسرے سے اس اُمّتہ مرحومہ کی طرف کہ پیدائش میں یہ اُمت متاخر ہے اور کثرت ثواب و فضائل میں متقدم ہے اِس اُمت کے ثواب میں بہت حدیثیں آئی ہیں اور حقیقت میں جو علوم و معارف اور عجائب و غرائب و حقائق کہ اس اُمت کے ہر ہر شخص سے ظاہر ہوئے ہیں کسی اُمت سے ظاہر نہیں ہوئے اور اِس میں کچھ شک و شبہ نہیں۔

وَشَرِيْعَتُهٗ اَكْمَلُ الشَّرَآئِعِ وَدِيْنُهٗ نَاسِخُ الْاَدْيَانِ

شریعت محمدی پہلی تمام شریعتوں سے زیادہ کامل اور جامع ہے اور دین محمدی تمام ادیان سابقہ کا ناسخ ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہوئے تو حضور کے بعد کوئی دین اور شریعت نہیں ہو سکتی اور کسی کمال کا انتظار باقی نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی میں اسواسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حمیدہ کی تکمیل کروں۔ موسےٰ علیہ السلام کی شریعت میں قہر و جلال بہت تھا جیسے توبہ کے واسطے نفسوں کا قتل کرنا۔ پاک چیزوں کا حرام ہونا۔ غنیمت کے مال کا منع ہونا۔ عذابوں کے نازل ہونے میں جلدی ہونا۔ موسےٰ علیہ السلام میں عظمت و ہیبت اور غصّہ کی شدت اور اعدار دین پر سختی کرنی اسقدر تھی کہ کسی کو انکی طرف دیکھنے کی طاقت نہیں تھی۔

اور عیسیٰ علیہ السلام لطف و مہربانی کا مظہر تھے اور اُنکی شریعت میں فضل و احسان بہت تھا کہ قتال و عذاب کا اسمیں بالکل حکم نہ تھا بلکہ ان پر قتال حرام تھا۔ انجیل سے یہ فقرات نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی تیرے رخسارہ پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسارہ بھی اسکے آگے کر دے اور جو کوئی شخص تیرے کپڑے کے کونہ کو ہاتھ سے پکڑے تو وہ کپڑا اسکو دیدے اور جو شخص ایک میل تک تمسخر کرتا ہوا تیرے ساتھ جاوے تو دو میل ساتھ جا اور اسپر احسان کر۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات مقدس میں ہر کمال کے مظاہر کو پورا کر دیا اور جمال و جلال کی صفتوں کو اکٹھا کر دیا تھا۔ لطف و قہر کو ملا دیا تھا موسےٰ علیہ السلام کی قوت و صلابت و عدل و شدت کا بھی آپ میں کمال تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا لطف و کرم اور فضل و حلم بھی آپ میں بیحد تھا اِسی سبب سے ہر چیز میں اعتدال تھا چنانچہ آپ نے فرمایا اَنَا الضَّحُوْكُ الْقَتُوْل یعنی میں ہمیشہ ہنستا رہتا

Marfat.com

ہوں اور عین بیکسی میں قتل کرتا ہوں یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کا کمال ہے۔

بخندہ نمکین دل بری وجان بخشی + تبارک اللہ این چہ خندہ وچہ لب ہست

قولہ تعالیٰ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور حلال کرتا ہے انکے لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔ اس آیہ شریفہ میں بھی حضور کی عدالت اور توسط شریعت کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات شریفہ اور فضائل جمیلہ اور حضور کی شریعت مطہرہ اور احکام معتدلہ سے اس دین اسلام کے معتدل ہونے کی ساری حقیقت کھلسکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

اور آنحضرت صلعم کے اصحاب تمام اُمت سے بہتر ہیں

وَاَصْحَابُہٗ خَیْرُ الْاُمَّةِ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالےٰ عنہم آپکی ساری اُمت سے بہتر اور افضل ہیں کہ انکو اللہ تعالےٰ نے حضور کی صحبت اور نصرت کے لئے پسند کیا اور اس دین قویم کی تقویت اور اس ملت عظیم کی اعانت اُن سے کرائی

وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

یعنی تھے صحابہ لائق صحبت اور امداد حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور اہل ان خدمات کے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اسقدر حدیثیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح اور بزرگی میں آئی ہیں کہ انکے دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انکا مرتبہ ساری اُمت سے زیادہ ہے اور انکا ثواب سب سے بڑا ہے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی جبل احد کی برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے آدھے پیمانہ جو دینے کے برابر تمہیں ثواب نہیں ملسکتا اور حدیث خیر القرون قرنی بھی اسی مدعا پر دلالت کرتی ہے اسکے سوا اور بہت سی دلیلیں ہیں اور اس سے زیادہ کھلی کونسی دلیل ہو گی کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمال باکمال بے واسطہ دیکھا اور خدمت حضور میں حاضر رہے اور قرآن شریف ودیگر احکام دین حضور کی زبان مبارک سے سنے اور اللہ تعالےٰ کے احکام امر ونہی بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو پہنچائے اور اپنے خطاب کا انکو مخاطب بنایا اور صحابہ نے اپنی جانیں اور اموال اللہ تعالےٰ کی راہ میں صرف کیے۔ صحابی وہ مومن ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور دنیا سے باایمان گیا ہو خواہ ایک ہی نظر دیکھا ہو۔ بعض علماء یہ شرط بڑھاتے ہیں کہ بہت مدت تک آپ کی

صحبت میں رہا ہو اور جہاد و غزوون آپکے ساتھہ شریک رہا ہو کم سے کم اس مدت کی حاضری چھہ ماہ مقرر کیے ہیں اور جس نے ایک نظر دیکھا ہو یا ایک ساعت آپکے پاس بیٹھا ہو وہ اُسے صحابی نہیں کہتے بعض علمار کہتے ہیں کہ صحابی تو سب ہیں لیکن خیریت اور فضیلت جو بیان ہوئی اسی جماعت کے ساتھہ مخصوص ہے نہ عام۔ اور جمہور علمار کے نزدیک جس نے صرف ایک نظر آپکو دیکھا ہو وہ بھی اِس فضیلت میں شامل ہے اور حقیقت میں آپ کے جمال مبارک کا ایک بار دیکھنا اور ایک ساعت حضور کی مجلس شریف میں بیٹھنا اور حضور سے بات سننی ایسی مفید ہے اور اُس سے وہ مطالب حاصل ہوتے ہیں کہ اوروں کے مدتوں خلوت میں بیٹھنے اور چلّے کھینچنے سے بھی نہیں حاصل ہوتے ایسا ہی قوت القلوب میں مذکور ہے۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہ حدیث کے مشہور علمار میں سے ہیں اصحاب رضی اللہ عنہم کے تمام اُمت سے افضل ہونے میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ ممکن ہے اُمت میں سے کوئی شخص ایسا پیدا ہو کہ صحابہ کے برابر ہو یا اُن سے بہتر ہو دلیل انکی یہ حدیث ہے مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُہٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُہٗ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے جسمیں یہ معلوم نہیں ہوتا اول بہتر ہے یا آخر اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے صحابہ میں سے عرض کیا ہم حضور پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے حضور کے ہمراہ جہاد کیا ہے کوئی ہم مین سے بھی بہتر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نَعَمْ یعنی ہاں بہتر ہے وہ قوم کہ تمہارے بعد پیدا ہوگی اور مجھ پر بے دیکھے ایمان لاوے گی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال اسپر ظاہر اور روشن ہے جس نے حضور کو دیکھا لیکن ایمان انہیں کا فاضلتر ہے کہ بے دیکھے آپ پر ایمان لاوینگے اور بعض مفسروں نے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں یہی معنی لکھے ہیں اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں طریقہ سنت پر چلنا ہاتھ میں جلتی چنگاری لینے کے برابر مشکل ہوگا جو کوئی اُسوقت سنت پر چلیگا اسکا اجر پچاس آدمیوں کے برابر ہوگا کسی نے عرض کیا حضور پچاس اُن میں سے یا ہم میں سے فرمایا تم میں سے اور اسی کے مانند ایک اور حدیث میں ہے مگر تحقیق و مختار وہی ہے جو جمہور علمار کا مذہب ہے۔ اور یہ خیریت جو پچھلوں کے واسطے ثابت کی ہے ایک خاص وجہ یعنی غیب پر ایمان لانے کے سبب سے ہے اور فضل کلی صحابہ ہی کے واسطے ہے اور فضل جزئی

فضل کلی سے مخالفت نہیں رکھتا۔ ابن عبدالبر کا اختلاف اسوقت ہے کہ صحابی کے معنی عام لئے جاویں اور کہیں کہ صحابی وہ ہے جس نے حضور کو ایک نظر دیکھا ہو اور جب صحابی بمعنی خاص ہو یعنی جن کو شرف صحبت اور ہمنشینی دائمی حاصل ہوئی ہو اُسوقت ابن عبدالبر بھی جمہور کے موافق ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک پر نظر کرنے کے برابر کوئی فضیلت نہیں ہے اگرچہ اولیاء اللہ کو صحبت معنوی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہے مگر صحابی کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

وَالْخُلَفَاءُ الْاَرْبَعَةُ اَفْضَلُ الْاَصْحَابِ اور چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کہ جانشین آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تمام صحابہ سے افضل ہیں اسلام میں انکے فضائل اور مناقب اور نیکیاں اسقدر ہیں کہ تمام اصحاب میں سے کسی کے پاس وہ خوبیاں نہیں ہیں جیساکہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

وَفَضْلُهُمْ عَلٰى تَرْتِيْبِ الْخِلَافَةِ وَالْمُرَادُ بِالْاَفْضَلِيَّةِ اَكْثَرِيَّةُ الثَّوَابِ اور بزرگی انکی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے اور اس بزرگی سے ثواب کی زیادتی مراد ہے یہاں دو مقام ہیں اوّل مقام یہ ہے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر صدیق خلیفہ برحق ہیں انکے بعد عمر فاروق انکے بعد عثمان ذوالنورین انکے بعد علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اور یہ مسئلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یقینیات میں سے ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرنے کا طریق یہ ہے کہ بعض کے نزدیک وہ نص صریح اور حدیث صحیح سے ثابت ہے اور جمہور علماء سنت وجماعت کے نزدیک اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یعنی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا اور انکی اطاعت اور تابعداری قبول کی اور دنیا و آخرت کے سب کاموں میں انکے احکام کی موافقت ومتابعت اختیار کی اور اُسی پر چلے اور انہیں میں تھے ابوذر وعمار وسلمان وصہیب اور انہیں جیسے اور صحابہ کہ دین کے رستہ سے ذراسی بھی میل اور مداہنت کو انکے حال میں بالکل دخل نہ تھا اور انکی شان میں یہ آیہ وارد ہے لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ملامت کرنے والے کی ملامت سے وہ نہیں ڈرتے۔

اور اگرچہ امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب اور حضرت عباس بن عبدالمطلب اور اور صحابہ نے

اور خلفاء اربعہ تمام صحابہ سے افضل ہیں

فضیلت انکی موافق ترتیب خلافت کے ہے

Marfat.com

جیسے طلحہ وزبیر ومقداد بن اسود کہ بڑے صحابیوں میں سے تھے رضی اللہ عنہم تمام اصحاب کے بیعت کرنیکے وقت بیعت نہیں کی تھی لیکن دوسرے وقت ان سب نے بھی بیعت کی اور آپکی اطاعت قبول کی اور ہمیشہ آپ کی موافقت میں رہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انکو اپنے پاس بلایا اور تمام صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ پڑھا اور کہا یہ علی بن ابی طالب موجود ہیں میں انکو اپنی بیعت کی تکلیف نہیں دیتا انکو اپنا اختیار ہے اور تم کو بھی اپنا اپنا اختیار ہے اگر کسی کو مجھسے اولی سمجھتے ہو اور اسمیں مصلحت دیکھتے ہو تو سب سے پہلے میں اسکے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں اُسوقت علی مرتضی اور جو لوگ آپکے ساتھ تھے رضی اللہ عنہم سب نے کہا کہ ہم آپ کے سوا اور کسی کو اولی اور بہتر نہیں جانتے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دین کے کام میں پیشوا کیا اور اپنی حیات کے آخر دن میں نماز میں آپ کو امام بنایا اور باوجودیکہ ہم اہلبیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارباب مشاورت و اجتہاد تھے آپ نے کسی سے نہ پوچھا۔ اس سبب سے ہم جانتے ہیں کہ آپ لائق اور حقدار امامت ہیں۔ پس حضرت علی مرتضی اور آپکے ہمراہ جو اصحاب تھے رضی اللہ عنہم سب نے علانیہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اجماع منعقد ہو گیا اور ان صاحبوں نے بیعت کرنے میں اسواسطے تاخیر کی کہ یہ امر عظیم تھا اور ان حضرات کا بیعت کرنے میں تاخیر کرنا بسبب تامل اور اجتہاد کے انعقاد اجماع کے مخالف نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کا بیعت میں تاخیر کرنا اور بیعت کے وقت موجود نہ ہونا اسواسطے تھا کہ آپ تجہیز وتکفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مشغول تھے اور اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کے غم میں خلوت اختیار کر لی تھی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے تھے اور ان کاموں میں چھ ماہ کا عرصہ منقضی ہو گیا یہانتک کہ کہتے ہیں کہ بعد وفات حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

اور صحیح یہ ہے کہ اسقدر مدت دراز نہ تھی بلکہ اُسی دن شام کو یا دوسرے دن آپ نے بیعت کی اور ہمیشہ مطیع وفرمانبردار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رہے اور فرض نمازوں وجمعوں و عیدوں میں انکا اقتداء کرتے رہے اور غزوہ بنی حنیفہ میں کہ مسیلمہ کذاب اسمیں قتل ہوا آپ صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور غزوہ کی غنیمت میں سے آپ نے ایک لونڈی لی تھی کہ

Marfat.com

اُس سے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ اگر وہ اس غزوہ میں امام برحق کے ہمراہ نہ ہوتے تو اسکی نئیمت میں تصرف جائز نہ ہوتا اور کوئی عاقل نہیں کہیگا کہ علی مرتضی شیر خدا اولیاء اللہ کے امام اور حق کے دائرہ کے مرکز ہوکر باوجودیکہ انکے ساتھ قرآن تھا اور وہ قرآن کے ساتھ تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے اَلْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ یعنی قرآن علیؓ کے ساتھ ہے اور علیؓ قرآن کے ساتھ ہیں ایک مدت دراز تک نماز اور سب عبادات بدنی ومالی میں ایسے شخص کی تابعداری کریں کہ اسکی جانب حق نہ ہو بلکہ جانتے ہوں کہ حق اپنی جانب ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی شان میں حکم قطعی اپنی خلافت کا سُن چکے ہوں اور پھر حق طلب نہ کریں اور مہر سکوت اپنے منہہ پر لگاکر تمام عمر اپنے آپ کو اہل باطل اور اصحاب ہوا کی قید میں رکھیں آخر حضرت معاویہ سے کہ اُنہوں نے آپکے ساتھ ناحق جھگڑا کیا اور خلافت چاہی۔ کیوں لڑے اور کس لئے حجت کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے فرمایا قسم اس پروردگار کی جس نے نفس انسان کو پیدا کیا اور دانہ کو اُگایا کہ اگر پیغمبر خدا نے مجھسے عہد کیا ہوتا یا مجھکو حکم فرمایا ہوتا تو ابی قحافہ کے فرزند کو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر کے زیرین پایہ پر بھی قدم نہ رکھنے دیتا لیکن جبکہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے موجود ہوتے اور میرے مرتبہ کے واقف ہونے کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مع تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے انکے پیچھے نماز پڑھی اسوقت مجھکو کچھ بھی نزاع کی مجال نہ ہوئی۔ جب آپ نے دین کے کام میں انکو اختیار کیا اولی اور بہتر ہے کہ ہم دنیا کے کاموں میں بھی انہیں کو اختیار کریں۔

شیعہ کہتے ہیں کہ علی مرتضیٰ نے یہ سب کام تقیہ سے کئے تھے کہ انکو دشمنوں کا خوف اور اپنی جان کا ڈر تھا۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جاوے تو تقیہ سراسر عیب اور نقصان ہے کہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ نے حق کو چھوڑ دیا اور سکوت اختیار کیا۔ دشمنوں سے ڈر گئے کہ انکو ہلاک کر دینگے باوجود اُس کمال اور یقین کے کہ آپ نے فرمایا لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا اگر پردہ کھل جاوے تو جو میرا یقین پہلے سے ہے بدستور رہے کم وبیش نہ ہو اور باوجود آپ کے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُن لینے کے کہ میرے بعد تو ہی میرا خلیفہ ہے اس بشارت کے یہی معنی ہیں کہ میرے بعد دین کے احکام جاری کریگا تو ہی متکفل ہوگا اور اس کام کو تو ہی کریگا) پھر آپ آدمیوں سے ڈرتے اور

Marfat.com

خیال کرتے کہ اگر خلافت کی طلب کرونگا تو قتل کیا جاؤنگا (ہرگز یہ بات نہیں محض افترا ہے)

دوسرے یہ تقیہ ایسی جگہ ہوتا ہے کہ صاحب حق ضعیف ومغلوب وعاجز ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ ایسے شجاع وقوی اور خدا تعالیٰ پر پورا توکل کرنے والے اور حضرت خاتون جنت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ایسی عظمت وبلند مرتبہ والی آپکی زوجہ اور حضرات امام حسن امام حسین علیہما السلام حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تمام خلقت کے محبوب آپکے فرزند اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ایسے عالی درجہ والے موجود اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر پھوپی زاد شجاع وقت موجود اور تمام بنی ہاشم ہمراہ تھے جو شوکت وشجاعت میں مشہور تھے پھر ضعف اور بزدلی کا دخل وہاں کس طرح ہو سکتا تھا

روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے توقف کی مدت میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ آپ ہاتھ نکال لیجئے کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں اور اہل عالم جان لیں کہ حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا نے حضور کے چچازاد بھائی کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے تاکہ پھر کسی کو مخالفت کی مجال نہ رہے اور ابی سفیان اموی نے کہا کہ اے عبد مناف کی اولاد تمکو کیا ہو گیا جو تم راضی ہوگئے کہ قریش میں سے کم درجہ کے گھرانہ والا اتم پر والی ہو جاوے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ قبیلہ بنی تیم میں سے تھے جو قریش میں زور آور نہیں تھے اور ابی سفیان نے کہا کہ اگر تم خلافت کا دعوی کرو تو میں اسقدر سوار وپیادے اکٹھے کر سکتا ہوں کہ تمام جنگل بھر جاوے اور انکا بھیجا نکال ڈالوں حضرت امیر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انکو منع کیا اور جھڑ کا کہ یہ تو اہل اسلام کے ساتھ دشمنی ہے اور فتنہ وفساد کا سبب ہے۔ اب ناظرین تبلائیں یہاں کب تقیہ کی گنجایش ہے۔ ان شیعہ گروہ نے پیغمبروں پر تقیہ کو جائز بلکہ واجب قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو خوف کے مقام پر تقیہ کرنا اور کفر کا اظہار کر دینا جائز ہے یہانتک کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل میں علی مرتضیٰ کو نماز کا امام مقرر کیا تھا لیکن خوف وتقیہ نے اسکے اظہار کو منع کیا جبکہ اس قسم کے بیجا احتمال خاص حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں روا رکھتے ہوں پھر اور کسی کی کیا حقیقت ہے

(قبحہم اللہ ما اجہلہم وافسد اعتقادہم (خدا انکو خراب کرے کسقدر جاہل ہیں اور کیا بیجا عقیدہ رکھتے ہیں) اگر انبیاء علیہم السلام حق کو چھپا دیں تو پھر حق کس جگہ ظاہر ہو اور اسکو کون ظاہر کرے۔ نوح علیہ السلام کی قوم سے زیادہ نافرمان اور متکبر اور نمرود وفرعون سے زیادہ کون ظالم ومتمرد ہوگا۔ حضرت نوح د

Marfat.com

ابراہیم و موسےٰ علیہم السلام نے حق کا اظہار کیا پھر تقیہ کا احتمال کہاں رہا۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا اور جس چیز پر سارے صحابہ و علماء و مجتہدین اس امتہ مرحومہ کے اجماع کریں وہ یقیناً حق اور ثابت ہے اسواسطے کہ اگر الگ الگ اجتہاد کریں تو اسمیں خطاء کا احتمال ہو کہ اَلْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ آیا ہے لیکن سب کے اجماع اور اتفاق میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ضرور حق و ثواب پر ہوتا ہے۔ اور اسمیں احتمال خطا کا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ یعنی اے اُمت محمدیہ تمکو معتدل اُمت اسواسطے بنایا ہے تاکہ تم اوروں پر گواہی دینے والے ہو اور فرمایا وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ الآیہ یعنی جو کوئی مخالفت کرے رسول کی اور مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے ہم اسکو حوالہ کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی ہے اور ڈالیں اُسکو دوزخ میں اور بری جگہ پہنچا اور فرمایا حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لَنْ يَجْتَمِعَ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہوگی۔ بس جس چیز پر سب نے اجماع کیا وہ حق ہے اور اگر روا رکھا جاوے کہ تمام یا اکثر صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے میں عمداً خطا کی اور ظلم کیا اور حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی اور جان بوجھ کر حق کو چھپایا تو اس کلام کا فساد تمام دین اور ملت میں پہنچیگا اور سرایت کر جاویگا۔ شرع شریف کی مضبوطی بالکل جاتی رہیگی کیونکہ تمام احکام شریعت کے اور خود قرآن شریف تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اصحاب رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے ہم کو پہنچے ہیں اور جب تمہارے گمان کے موجب یہ ظالم اور فاسق اور حق بات کے چھپانے والے تھے تو اس سے بڑھکر اور کونسی قباحت اور خرابی ہے

نعوذ باللہ من الجہالۃ والعبادۃ امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصانیف میں کیا اچھی بات کہی ہے کہ قرآن مجید کی اس آیہ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (یعنی چیونٹے نے اپنے گروہ کو کہا نہ پیس ڈالے تم کو سلیمان اور انکا لشکر بے خبری میں) سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا چیونٹا رافضی سے زیادہ عقل رکھتا تھا اس لئے کہ اس نے اور چیونٹوں سے کہا کہ اپنے گھروں میں گھس جاؤ کہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر نادانستہ تم کو پامال نہ کر ڈالے۔ پس چیونٹے نے تجویز نہ کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکری جو پیغمبر کے اصحاب

Marfat.com

اور انکی خدمت میں رہنے والے ہیں۔ جان بوجھکر چیونٹوں کو پامال کرینگے اور یہ ظلم اُنپر روا رکھینگے۔ چنانچہ اس سے لَا یَشْعُرُوْنَ کا لفظ کہا۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق جانکر دیدہ و دانستہ برباد کیا اور آپکی اہلبیت پر ظلم کیا اور اتنا نہ سمجھے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا ظلم پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ کہ دین کے سب احکام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں تھے احادیث رسول اللہ سب انکے ہی سپرد تھی پس ان سب کے اجماع کے برابر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے اور حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دین اور دنیا کے سب احکام میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کی یہی بڑی دلیل حقانیت خلافت ابوبکر صدیق کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے باوجود اس فضل و کمال اور ہادی اور حقانی ہونے کے حضرت ممدوح کی متابعت کی اور حضرت سے بیعت کی۔

نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے کہ پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت میں نہایت انتظام رہا اور کسی طرح کی مخالفت نہ ہونے پائی اور آپ کی خلافت کے زمانہ میں اسقدر ہرج مرج اور اختلاف واقع ہوا۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ انکے عہد میں ہم انکے مددگار تھے اور ہمارے تم مددگار ہو اسکے سوا اور کچھ نہیں۔ فی الواقع عقل سلیم مجبول ہے اس پر کہ اجماع اور اتفاق اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین لاوے اور صحابہ کو راہ راست کا چلنے والا اعتقاد کرے نہ یہ کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر زمانہ کے پیغمبر اور کل آدمیوں کے اور تمام جنات کے ہادی اور جملہ خلائق کے رسول ہیں انکی امت میں فقط چند صحابی ہدایت اور حق پر ہوں اور سیدہا راستہ انکو ملا ہو اور باقی انکے تمام صحابہ اور یار کہ ساری عمر انکی صحبت میں رہے ہوں اور اُن سے فضائل و کمالات حاصل کیے ہوں سب کے سب باطل و ظلم و گمراہی پر ہوں اور آپ کے بعد ایسے کام میں خطا کریں اور گمراہی و ظلم کا راستہ چلیں کہ جس پر دین کے احکام کا مدار ہو پس اگر ایسا ہے تو اسکا نقصان دین کے سب کاموں میں سرایت کرتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح و درست ہے۔ اور ایک فرقہ زیدیہ ہے کہ شیعوں کے

Marfat.com

سب فرقوں میں اعدل گنا جاتا ہی وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر کرنے میں مصلحت تھی اسواسطے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار سے ابھی دشمنوں کا خون نہیں سوکھا تھا اور اُنکی عداوت دلوں میں جاگزین تھی اگر انکو خلیفہ کرتے دین میں ہرج و مرج واقع ہوتا اور اسلام کے کاموں کا سرانجام اچھی طرح سے نہ ہوتا پس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے سب شعلے فساد کے دب گئے بنیاد اس مذہب کی علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر ہی اور اس بات پر کہ افضل واکمل کا خلیفہ کرنا واجب ہے۔ علماء سنت جماعت کو ان دونوں باتوں میں کلام ہے کہتے ہیں یہ امر واجب نہیں کہ خلیفہ اپنے زمانہ میں افضل واکمل ہو بلکہ ضرور ہی کہ قریش میں سے ہو اور حلال و حرام کا عالم ہو اور دین اسلام کی مصلحتوں سے اور سب اُمور سے واقف ہو اور پرہیزگاری و عدالت و شہامت و کفایت امامت کے لائق اور خلافت کے مستحق ہونے کو کافی ہیں اور یہ سب صفتیں ابوبکر صدیق میں موجود تھیں چنانچہ روایت آثار اور عادات و فضائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے انکا مصداق ان صفات کا ہونا یقیناً ثابت ہے۔

بعض علماء ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نص سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی خلافت پر تنصیص کی ہی لیکن اہل تحقیق کا یہ مذہب ہے کہ ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالے عنہما دونوں میں سے کسی کی خلافت کے لئے نص قطعی وارد نہیں ہوئی ہی اگرچہ سنی اور شیعہ دونوں فریق اپنے اپنے مذہب کے موافق نصوص لائے ہیں اور اپنے اپنے مخالفین کی نصوص کے انہوں نے جواب دیئے ہیں کس لیئے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص موجود ہوتی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع نہ ہوتا اور وہ اس نص کے بیان کرنے سے اور حق کے ظاہر کرنے سے کیوں سکوت کرتے اور خلافت کی طلب کیوں ترک کرتے اور جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو مہاجرین اور انصار میں کیوں گفتگو ہوتی کہ مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ (یعنی انصار نے کہا ہم میں سے ایک امیر اور تم میں سے ایک امیر اور اسوقت رد و بدل کی کیا حاجت تھی جیسا کہ نصب خلافت کے قصے میں کتابوں میں مذکور ہی اور اگر کہیں شاید یہ گفتگو حجت کے تحقیق کرنے اور نص کے دریافت کرنے میں ہو جو بعض اصحاب پر پوشیدہ ہو سب اسکو نہ جانتے ہوں۔ اسکا جواب یہ ہی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ کہا کہ تم مختار ہو جسکے ہاتھ پر کہو سب بیعت کریں

پس جو امر نص سے واجب ہوا میں ایسی تواضع اور تخیر کی کیا گنجایش تھی چنانچہ نقل کیا گیا ہی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق کا اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کا (جنکو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امین اُمت فرمایا ہی) ہاتھ پکڑا اور انصار سے کہا کہ امامت قریش کا حق ہی اور سوائے قریش کے اور کسی کو امامت کا دعویٰ نہیں پہنچتا پس تم ان دونوں میں سے جسے چاہو قبول کرو پس اگر اس بات پر نص ہوتی تو وہ ایسا کیوں کرتے حق یہی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد و اجماع سے مقرر ہوئی ہی اور اجماع کے لئے سند چاہیئے۔ نص ظنی غیر قطعی اجماع کرنے کے لئے سند کافی ہے علم اصول فقہ میں اسی طرح ہے۔ دونوں طرف دلیلیں اور گفتگو بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور اس رسالہ کی وضع سے خارج ہیں اسیواسطے انکو یہاں ترک کیا گیا دیگر کتابوں پر موقوف رکھا واللہ الموفق۔

جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماع سے ثابت ہوئی اور انکے حکم کی اطاعت سب مسلمانوں پر واجب ہوئی اور اُنہوں نے اپنی رحلت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کردی اور انکو خلیفہ بنا دیا اور عہد نامہ انکے نام لکھدیا اور اسمیں سب کو اُنکی اطاعت کا حکم اور متابعت کا امر فرمایا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکے ہاتھ پر بیعت کی اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی اور کہا بَایَعْنَا بِمَنْ فِیْہِ وَاِنْ کَانَ عُمَر (یعنی ہم نے بیعت کی اُس شخص کے ہاتھ پر جسکا اسمیں نام ہے اگرچہ اسمیں عمر ہی کا نام لکھا ہو) پس خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی اجماع سے ثابت ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کو ان چھہ صحابہ میں مشترک کیا عثمان و علی و عبدالرحمن بن یوسف و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ اور ان سب نے اپنی رائے کو عبدالرحمن بن عوف کی رائے پر منحصر کردیا اور کہدیا کہ ہم سب میں سے جسے یہ کہدیں وہی خلیفہ ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کرلیا پس حضرت علی مرتضیٰ اور کل صحابہ نے (رضی اللہ عنہم) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انکے حکم کے مطیع ہوئے اور دین و دنیا کے کاموں میں انکو اپنا امیر و حاکم جانتے رہے۔

پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہوئی انکے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے سب صحابہ سے افضل و اکمل تھے باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم خلیفہ برحق

Marfat.com

و امام مطلق مقرر ہوئے اور انکے زمانہ میں جھگڑا و مخالفت جو مخالفین سے ظہور میں آیا وہ خلافت کے استحقاق و امامت میں نہ تھا بلکہ اُس لڑائی و بغاوت کا منشا اجتہاد میں خطا تھی کہ اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قاتلوں کی سزا میں جلدی چاہی تھی۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ ان خلفاء کی افضلیت انکی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے یعنی سب اصحاب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہ انکے بعد عمر فاروق ہیں رضی اللہ عنہ۔ انکے بعد عثمان ذی النورین ہیں رضی اللہ عنہ۔ انکے بعد علی مرتضٰی ہیں رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ اور افضلیت سے اللہ تعالےٰ کے نزدیک ثواب کی زیادتی مراد ہے۔ علماء نے اس مسئلہ میں یوں لکھا ہے کہ جب ہم کہیں فلاں اپنے غیر سے افضل ہے تو اس سے اس فلاں کی زیادتی و رجحان اپنے غیر پر لازم آتا ہے یہ زیادتی تمام صفتوں میں جدا جدا ہو یعنی ہر صفت میں یہ افضل اپنے غیر سے زائد و کامل ہو یا یہ صورت ہے کہ مجموعہ صفات میں افضل ہو یعنی اس افضل کی صفتوں کا مجموعہ غیر کی صفتوں کے مجموعہ سے زیادہ ہو اس صورت میں ممکن ہے کہ غیر میں کوئی خاص صفت ایسی ہو جو افضل میں نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ رجحان و زیادتی کسی خاص صفت یا وجہ کے سبب سے ہو۔ اس مسئلہ میں بھی وجہ خاص اختلاف کا باعث ہے کس لئے کہ عرف عام میں علم کی زیادتی اور نسب کی بزرگی اور ملکات نفسانیہ کی قوت جیسے شجاعت سخاوت شہامت وغیرہ کو فضیلت کہتے ہیں اور ثواب عند اللہ ان صفتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ثواب کی کثرت کے اسباب وہ فضائل ہیں کہ ان کے منافع اور نتیجے دین اسلام کو پہنچیں اور مفید ہوں جیسے ایمان لانے میں سبقت اور دین کی نصرت اور اسلام کی تقویت اور مسلمانوں کی امداد اور نیکیوں کی کثرت اور خلقت کو ہدایت کرنی اور کفار سے دور رہنا اور ان پر سختی کرنی وغیرہا اور یہ صفتیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات میں بہت تھیں۔ کتب سیر سے معلوم ہوا کہ آپ جب سے ایمان لائے ہیں اسلام کی دعوت اور دین کی نصرت ہمیشہ آپکا کام رہا ہے عثمان و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص و عبدالرحمٰن بن عوف و عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالےٰ عنہم کہ بڑے صحابیوں میں سے ہیں اور مہاجرین کے سردار ہیں آپ ہی ہاتھ پر ایمان لائے ہیں اور آپ ہمیشہ دین کی ترقی اور کفار کے جھگڑے دور کرنے میں مصروف رہے ہیں حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات شریف میں بھی اور حضور کی وفات کے بعد بھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کی ابتدا میں کہ کسی کو اسوقت شعائر دین کے برملا ظاہر کرنیکی مجال نہ تھی اپنے دروازہ پر مسجد بنائی تھی اور اسمیں آپ نماز و قرآن پڑھا کرتے تھے اور لڑکے جوان اور عورتیں قریش کی وہاں اکٹھی ہوتی تھیں اور قرآن سنتی تھیں۔

جب یہ مطلب لکھا گیا تو اب اسکے متعلق تقریر شروع کرتے ہیں اور اس باب میں جو علماء کے اقوال آئے ہیں انکو نقل کرتے ہیں جمہو اہل سنت جماعت کا مذہب تو اسی ترتیب کے موافق ہے جو بیان کیگئی اور امام مالک و بعض متقدمین اہل سنت سے عثمان اور علی رضی اللہ عنہما میں توقف روایت کیا گیا ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ تمام اُمت میں افضل کون ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہا ابوبکر پھر عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما پھر کہا گیا کہ علی و عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی بابت کیا کہتے ہو کہا میں نے دین کے پیشواؤں سے بہت پوچھا ایسا کوئی نہ ملا کہ ایک کو دوسرے پر تفضیل دیتا ہو اور امام الحرمین کا مذہب بھی ان دونوں کے باب میں توقف ہے اور ابوبکر بن خزیمہ سے عثمان ذی النورین پر علی مرتضیٰ کی تفضیل نقل کی گئی ہے اور جواہر الاصول میں لکھا ہے کہ اہل کوفہ سے بھی علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تفضیل عثمان رضی اللہ عنہ پر منقول ہے اور ابن خزیمہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی مذکور ہے کہ اہل کوفہ کا مذہب علی کی تقدیم عثمان پر ہے رضی اللہ عنہما اور سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں اور علماء حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے تقدیم علی کو عثمان پر بیان کی ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ اور امام محی الدین نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہل سنت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم کے حضرت علی پر قائل نہیں ہیں مگر صحیح اور مشہور یہی قول ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مقدم ہیں علی رضی اللہ عنہ پر۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ سب اصحاب سے افضل مطلق ابوبکر ہیں انکے بعد عمر رضی اللہ عنہما باجماع اہل سنت۔ اور خطابی نے کہ علماء اہل سنت میں سے کوفہ کے باشندے ہیں علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ پر نقل کی ہے اور ابوبکر بن خزیمہ بھی اسی طرف مائل ہے۔ اور قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ پر کی ہے سفیان ثوری بھی انہیں میں سے ہیں اور بعض نے کہا کہ آخر عمر میں سفیان نے اس سے رجوع کیا ہے۔ واللہ اعلم اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں کہا ہے کہ ابو ثور نے شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ابوبکر

Marfat.com

وعمر رضی اللہ عنہما کی تفضیل وتقدیم میں اختلاف نہیں کیا ہے سب کے نزدیک ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ پر تفضیل وتقدیم یکساں ہے اختلاف ہی تو عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کی تفضیل وتقدیم میں ہی حاصل یہ کہ اہل سنت کے مشائخ اسپر ہیں کہ تمام صحابہ پر ابوبکر وعمر کو تقدیم ہی رضی اللہ عنہم اور انمیں یہی ترتیب ہی اور اسمیں اختلاف نہیں ہے لیکن بعض فقہاء ومحدثین نے چنانچہ قصیدہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہی کہ چاروں خلفاء کی بزرگی پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بعد ہی اور ابن عبدالبر نے کہ حدیث کے مشہور علماء میں سے ہیں استیعاب میں بیان کیا کہ پہلوں نے اختلاف کیا ہے ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اور سلمان وابوذر ومقداد وخباب وجابر وابوسعید خدری وزید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب سے اول ایمان لائے ہیں لیکن ابوطالب کے خوف سے اُنہوں نے چھپایا اور کہا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت علی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ رضی اللہ عنہم پر تفضیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابن عبدالبر کا یہ کلام مقبول اور معتبر نہیں ہے اسواسطے کہ روایت شاذ مخالف قول جمہور کے معتبر نہیں ہوتی جمہور اماموں نے اس باب میں اجماع نقل کیا ہے (جیسا کہ گذرا) اور اسی طرح علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں اور روایتیں بھی آئی ہیں جیسا کہ خطابی نے بعض مشائخ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر خَيْرٌ مِنْ عَلِيٍّ وَ عَلِيٌّ أَفْضَلُ مِنْ أَبِي بَكْرٍ یعنی ابوبکر بہتر ہیں علی سے اور علی افضل ہیں ابوبکر سے (رضی اللہ عنہما) اور امام تاج الدین سبکی نے کہ شافعیہ کے بڑے علماء میں سے ہیں طبقات کبری میں بعض متاخرین سے نقل کیا ہے کہ وہ حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو تفضیل دیتے ہیں اس لئے کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹکڑے کے ٹکڑے ہیں۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب خصائص میں امام علم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انکے بھائی ابراہیم چاروں خلفاء سے بالاتفاق افضل ہیں اور مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے مَا أُفَضِّلُ عَلَى بَضْعَةٍ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم أَحَدًا (میں فضیلت نہیں دیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ٹکڑے پر کسی کو) یہ سب روایتیں بھی اصل مقصود کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتیں اور ہمارے مدعا کے منافی نہیں ہیں جیسا کہ اوپر لکھ چکے کہ یہ ایک خاص وجہ کی افضلیت ہی اور وہ افضلیت اور وجہ سے ہے اور یہ اُسکے مخالف نہیں ہی۔ اور یہ فضائل ذات جو نقل کئے گئے ہیں کثرت ثواب اور اہل اسلام کا نفع ان سے نہیں ہے بلکہ شرف نسب اور جوہر ذات ہی اور بیشک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وآلہ وسلم کی اولاد آپکی ذات مبارک کے ٹکڑے ہیں اور آپکے جگر پارہ ہیں اور جو شرف و شان انہیں ہے شیخین میں نہیں ہے یہاں کس کو انکار کی مجال ہے۔ لیکن باوجود انکی اس بزرگی کے شیخین کا ثواب بہت ہے اور نفع انکا اسلام اور اہل اسلام کو عظیم اور بہت بڑا ہی اور خطابی نے جو اپنے بعض مشائخ سے نقل کیا ہی ابوبکرٍ خیرٌ من علیٍ وعلیٌ افضلُ من ابی بکرٍ معلوم نہیں اس سے اسکا مقصود کیا ہے خیریت و فضلیت سے کیا مراد ہے اگر خیریت اور وجہ سے ہے اور فضلیت اور وجہ سے تو دائرہ خلاف سے باہر اور محل نزاع سے الگ ہے اور جو خیریت سے مراد کثرت ثواب اور فضلیت سے مقصود شرف ذات و کرامت نسب وغیرہ ہی تو یہ بات مقصود کے خلاف نہیں ہے اور اگر کچھ اور غرض ہے تو جبتک بیان نہ کرے کیا معلوم حقیقت حال کیا ہے واللہ اعلم۔

اب رہی یہ بات کہ ترتیب افضلیت کا مسئلہ یقینی ہے کہ قطعی دلیل اسپر قائم ہے جسطرح ترتیب خلافت یقینی ہی یا ظنی ہے کہ دلیل اسکی نشان اور قرینے ہیں جس سے اولویت ثابت ہوتی ہو بعض کہتے ہیں کہ قطعی ہے اور اکثر محققوں کے نزدیک مختار یہی ہی کہ ظنی ہے۔ امام الحرمین نے ارشاد میں علی الترتیب خلافت ثابت کرنے کے بعد یہ سوال لکھا ہے کہ بعض علماء صحابہ کو بعض پر تفضیل دیتے ہیں یا اِس باب میں اعراض و سکوت کرتے ہیں پھر جواب دیا ہے کہ تفضیل کے مسئلہ کی بنا اسپر ہے کہ امامت مفضول کی باوجود افضل کے جائز نہیں ہے اہل سنت جماعت کے سلف اسپر ہیں کہ امام کا افضل ہونا بہتر ہے لیکن اگر افضل کے مقرر کرنے میں ہرج و مرج واقع ہوتا ہو یا کوئی فتنہ و فساد برپا ہوتا ہو تو مفضول کو امام بنادیں بشرطیکہ امامت کے لائق ہو اور امامت کی شرائط اسمیں پائی جاتی ہوں۔ مثلاً قریشی ہونا حرام حلال سے واقف ہونا۔ دین اسلام کے کاموں کی مصلحتوں کو جاننا۔ عادل پرہیزگار ہونا۔ پھر کہا میرے نزدیک یہ مسئلہ قطعی نہیں ہی کہ افضل ہی خلیفہ بنایا جاوے۔ اس امامت کبریٰ کے سوای جسمیں ہم کلام کر رہے ہیں نماز کی امامت میں کہ امامت صغریٰ ہی اخبار آحاد ہی ہیں کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یؤمکم اقرأکم یعنی نماز میں وہ امام ہو کہ حاضرین سے قرآن اچھا پڑھتا ہو اور علم فقہ حاضرین سے زیادہ جانتا ہو اس سے حکم قطعی نہیں نکلتا پس صحیح یہ ہے کہ امامت و خلافت میں افضلیت شرط نہیں ہے اور امامت افضلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو قاطع ہو اور بعض ائمہ کی تفضیل بعض پر ثابت کرتی ہو کہ عقل تو اسکو دریافت کر ہی نہیں سکتی

Marfat.com

اور احادیث فضائل جو ان حضرات کے اوصاف میں وارد ہیں وہ آپسمیں متعارض ہیں اب توقف اور سکوت کے سوا اور کونسا راستہ ہی لیکن ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکر رضی اللہ عنہ سب خلقت میں افضل ہیں انکے بعد عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے باب میں ظن متعارض ہیں۔ پھر کہا امام الحرمین نے کہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سب میں بہتر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکر اور عمر ہیں اور انکے بعد خدا جانتا ہی کہ کون بہتر ہے انتہی۔ یہانتک امام الحرمین کے کلام کا ترجمہ ہی اور وہ کہتے ہیں کہ یہ قول ہے کہ جو ہم نے اپنے واسطے اختیار کیا ہے اور ہم تقلید سے علیحدہ ہو کر کہلیحق کی طرف چلے ہیں انتہی۔ اور بعض فقہا و محدثین مدینہ طیبہ کے رہنے والوں نے قصیدہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ شیخ احمد زروق نے کہا کہ ملک مغرب کے بڑے فقیہ اور شیخ اکبر ہیں عقیدہ کی شرح میں کہا ہے کہ علماء کا اختلاف ہی کہ یہ تفضیل قطعی ہے یا ظنی۔ اشعری کہتا ہے قطعی ہے۔ اور باقلانی کہتا ہے ظنی ہے اور اسمیں بھی اختلاف ہے کہ یہ تفضیل ظاہر اور باطن دونوں میں ہے یا نری ظاہر میں اور یہاں دونوں قول ہیں انتہے اور قاضی عضد نے مواقف میں اول علی رضی اللہ عنہ کے وہ سب فضائل بیان کئے ہیں جن سے شیعہ آپکی افضلیت پر استدلال کرتے ہیں بعد اسکے ان سب کا جواب دیا ہے اور افضلیت کو کثرت ثواب پر حمل کیا ہے

جاننا چاہیئے کہ یہ مسئلہ افضلیت کا ایسا ہے کہ جزم اور یقین کی تو اسمیں امید ہی نہ رکھنی چاہیئے اور عقل ایسی افضلیت کو کہ اسکے معنی کثرت ثواب ہیں نہیں دریافت کر سکتی پس سوائے نقل کے اسکی سند نہیں ہو سکتی اور یہ مسئلہ عمل کے متعلق بھی نہیں ہے کہ نرا ظن عمل کرنے کو کافی ہو جائے بلکہ علم اور اعتقاد کے متعلق ہے کہ اسمیں جزم و یقین درکار ہے اور نصوص جو طرفین سے مذکور ہوئی ہیں وہ آپسمیں متعارض ہیں۔ دلالت قطعی اُن سے نہیں نکلتی غایت یہ کہ وہ ثواب کے اسباب کی کثرت پر دلالت کرتی ہیں اور ثواب کے سببوں کی زیادتی ثواب کی کثرت کا باعث قطعاً نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اجر اور ثواب اللہ تعالے کے فضل پر موقوف ہی نہ کسی سبب پر اگر وہ چاہے نافرمانبردار کو زیادہ ثواب دے اور فرمانبردار کو اُس سے تھوڑا دے۔ جیسا کہ اوپر عقائد میں گزر چکا ہے اور امامت اگرچہ دلیل قطعی سے ثابت ہے لیکن اُس سے افضلیت کا قطعی ہونا لازم نہیں آتا مگر

Marfat.com

ظن غالب کے طور پر کسواسطے کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک باوجود فاضل کے مفضول کی امامت جائز ہے۔ لیکن سلف کے کل مشائخ کو ہمنے یہی کہتے پایا کہ سب سے افضل ابوبکر صدیق ہین اُن کے بعد عمر فاروق اُن کے بعد عثمان ذی النورین اُن کے بعد علی مرتضے وحسن ہین رضی اللہ عنہم اور ہمارا ظن بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہم اعتقاد کریں اگر یہ متقدمین اس پر دلیل نہ رکھتے تو ہم کو اس کا حکم نہ کرتے اور اس پر اتفاق نہ کرتے پس اس مسئلے میں ہم ان کا اتباع کرتے ہیں اور ان کے رستے پہ چلتے ہیں اور حقیقت امر کی خدا تعالے کے علم پر سونپتے ہیں اور روامدی کہ اصول فقہ اور کلام کا بہت بڑا عالم ہے کہتا ہے کہ مراد تفضیل سے یہ ہے کہ ایک شخص مین کوئی صفت اور بزرگی ایسی ہو کہ وہ اوروں میں نہو جیسے کہ عالم علم کی صفت میں جاہل سے افضل ہے کہ اُس میں یہ صفت موجود ہے اور جاہل میں نہیں ہے یا ہو مگر نقصان کے ساتھ اور اس میں کمال کے ساتھ ہو۔ پر اصل فضیلت مشترک ہو جیسے ایک شخص اوروں سے زیادہ علم رکھتا ہو اور علم سب کو ہو مگر اوروں کو اتنا نہو یعنی جو کمال اس کو حاصل ہے وہ اوروں کو نہیں ہے اگرچہ اصل علم سب میں مشترک ہے پس اس معنی کر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم میں فضیلت قطعی ثابت نہیں ہو سکتی کہ جو فضیلت ایک میں ہے دوسرا بھی شریک ہے اور جو اس میں شریک نہیں ہے تو اسکے لیئے اور فضیلت خاص ہے جسمیں یہ شریک نہیں ہی پس یہ فضیلت اُسکے مقابلے میں پڑی اور فضیلتوں کی کثرت پر بھی ترجیح نہیں دیسکتے اسواسطے کہ بعضی ایک فضیلت شرف اور نفاست کی زیادتی کسی سبب سے دوسری سو فضیلتوں پر راجح ہو سکتی ہے جیسا کہ ایک جوہر قیمت میں لاکھ درہم سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ پس ممکن ہے کہ بعضی ایک فضیلت والے کو اللہ تعالے کے ہاں اتنا بڑا ثواب ملے کہ اور بہت سے فضائل والوں کو نہ ملے پس افضلیت کے معنی کثرت ثواب لیئے جاویں تو اس پر بھی قطعی یقین نہیں ہو سکتا یہ مواقف اور اُس کی شرح کا ترجمہ ہے اور مولانا سعد الدین تفتازانی نے عقائد نسفی کی شرح میں یوں کہا ہے کہ ہمنے علماء سلف کو اسی پر پایا اور یہ ظاہر ہے کہ اگر اسکے پاس دلیل نہوتی تو ہم کو حکم نہ کرتے پر ہمنے دلیلیں دونوں طرفوں کی متعارض پائی ہیں اور یہ مسئلہ اعمال کے متعلق بھی نہیں ہے کہ اسمیں توقف کرنا کسی واجب کا مخل ہو۔ انتہی۔ اور محقق دوانی نے بھی عقائد عضدیہ کی شرح میں ایسا ہی کہا ہے اور ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں کہ شیعوں کا رد نہایت سختی سے کیا ہے اور تشدد و تعصب مذہب کا داد دی ہے یوں کہا ہے کہ شیخ ابوالحسن اشعری اس پر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تفضیل ساری صحابی رضی اللہ عنہم پر قطعی ہے

Marfat.com

اور ابو بکر باقلانی نے کہا ہے کہ ظنّی ہی اور ارشاد میں امام الحرمین نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے اور صاحب مفہم شرح صحیح مسلم نے بھی ظنیت ہی پر جزم کیا ہے اور استیعاب میں ابن عبدالبرؒ نے عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ معمر نے کہا ہے اگر کوئی کہے عمر ابو بکر سے افضل ہے رضی اللہ عنہما اسے منع نہ کروں اور نہ اسپر سختی کروں اور جو یوں کہے کہ علی ابو بکر سے افضل ہیں رضی اللہ عنہما اسپر بھی سختی نہ کروں اگر شیخین کی بزرگی کا اقرار کرے اور ان سے محبت رکھے اور اُنکی مدح وثنا جسکے یہ لائق ہیں کرے پھر عبدالرزاق نے کہا کہ یہ کلام معمر کا میں نے وکیع سے کہا وہ بھی خوش ہوا اور اس نے آفرین کہی۔ شیخ ابن حجر کہتا ہے کہ منع نہ کرنا اور سختی نہ کرنی اس سبب سے ہے کہ تفضیل مذکور ظنّی ہے اور قطعی نہیں ہے اور اگر کہیں کہ اس تفضیل کی ظنیت اُنہیں کے نزدیک ہے جو اجماع کا دعویٰ نہیں کرتے اور مخالف اجماع کے جو روایات شاذہ نقل کی ہیں اُن پر کان رکھتے ہیں اور اگر اجماع کا دعوی کریں کہ راجح ومختار ہے تو ظنّیت کا حکم کیونکر درست ہے کہ اجماع دلیل قطعی ہے اسکا یہ جواب ہے کہ اصول فقہ میں مقرر ہو چکا ہے کہ اجماع دلیل قطعی ہے لیکن اجماع کی سب قسمیں دلیل قطعی نہیں ہیں۔ بلکہ وہی قسم ہی جسمیں ذرا سا بھی اختلاف نہو اور جسمیں اختلاف ہو اگرچہ شاذ ونادر ہو وہ قسم قطعیت سے نکل جاتی ہی اور ظنی ہو جاتی ہے اگرچہ اتنا تھوڑا اختلاف بسبب شاذ ونادر ہونے کے اجماع کے انعقاد کو مانع نہیں ہو سکتا لیکن بالکل بے تاثیر بھی نہیں ہوتا اور اسکو قطعیت کے درجے سے گرا دیتا ہی پس یہاں اِسی قسم کا اجماع ہے اِسی لئے یہ افضلیت ظنی ہے اور اہل اجماع نے بھی اسکو قطعی نہیں کہا جیسا کہ اماموں کے کلام سے اشارتاً سمجھا جاتا ہے پس ظنیت کی صفت اس مسئلہ میں محکوم یہ ہے نہ یہ کہ بعد اجماع کے حکم کو عارض ہوئی ہے اور اُس سے فقط یہی مستند ہو سکتا ہے کہ جب خلافت اس ترتیب سے قطعی ثابت ہو چکی تو اس سے ظاہر ہوا کہ افضلیت بھی اِسی طرح ہو گی لیکن ترتیب خلافت سے افضلیت کی ترتیب کا قطعی اور یقینی ہونا لازم نہیں آتا۔ نہیں دیکھتے ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے احق ہونے پر اہل سنت وجماعت اجماع رکھتے ہیں اور انکی فضلیت میں اختلاف ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت کی قطعیت سے افضلیت کی قطعیت لازم نہیں آتی اور افضلیت کی ظنیت سے خلافت کی ظنیت بھی لازم نہیں ہوتی۔ اور افضل کی حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالےٰ کے پاس ہے اور اسپر بجز وحی یا خبر کے اطلاع ممکن نہیں ہے اور اُن سب کی مدح وثنا میں حدیثیں

Marfat.com

وارد ہوئی ہیں اور وہ آپس میں متعارض ہیں پس جن لوگوں نے وحی اترنے کا زمانہ پایا ہے اور
بنی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور قرینوں اور نشانوں سے دریافت کیا ہے وہ اس
حال کے خوب دانا تھے پچھلوں کی نظر صرف دلیل ومفہوم کلام پر پڑتی ہے اور کلام متعارض
ہے بس انکی دلیل بجز پہلوں کی تقلید اور اتباع کے اور انکے ساتھ حسنِ ظن کے اور کیا ہے
لیکن ان احادیث اور اخبار پر کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل وکمالات میں وارد ہوئی ہیں نظر
کرنے سے سوائے توقف کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ترجمہ وحاصل صواعق محرقہ کا ہے
اور سوائے اسکے جو مواقف کی شرح سے اوپر نقل کیا ہے وہ بھی تمام صواعق میں مذکور ہے
اور یہ بھی صواعق میں ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ اس ترتیب سے افضلیت کا
مسئلہ ظنی ہے لیکن شیعوں پر لازم آتا ہے کہ قطعی ہے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت
کا ازروئے جزم ویقین کے انکو معتقد ہونا چاہیئے اسواسطے کہ علی مرتضیٰ اور سب اماموں علیہم السلام
کی عصمت کے وہ معتقد ہیں اور معصوم کی خبر باتفاق یعنی سب کے نزدیک قطع اور یقین کا فائدہ
دیتی ہے اس لئے کہ معصوم پر جھوٹ جائز نہیں ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہوا ہے
بلکہ تواتر کے درجے کو پہنچا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت وسلطنت کے زمانہ میں
علانیہ وبرملا اپنے شیعوں کے روبرو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی مدح وثنا اور انکی افضلیت کا بیان کرتے
رہے۔ ذہبی نے اسّی سے زیادہ آدمیوں سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور صحیح بخاری
میں آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے خیر الناس بعد النبیّ صلّی اللّٰہُ علیہِ وآلہٖ
وسلّم ابو بکرٍ ثمّ عمر ثمّ رجلٌ آخرُ آپکے صاحبزادے محمد ابن حنفیہ
رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ثم انتَ فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں مسلمانوں میں سے اور یہ حدیث متعدد
رستوں سے صحت کو پہنچی ہے اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجکو خبر پہنچی ہے
کہ ایک گروہ آدمیوں کا مجکو اُنپر تفضیل دیتے ہیں یہ لوگ مفتری ہیں مجکو وہ معلوم ہو جاوینگے اور
یہ کہنا اُنپر ثابت ہو جاویگا تو میں انکو افترا کی سزا دونگا اور مالک نے امام جعفر صادق سے اور
اُنھوں نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ علی مرتضیٰ عمر بن خطاب پر گزرے رضی اللہ عنہم
اور عمر رضی اللہ عنہ اسوقت چادر لپیٹے ہوئے پڑے تھے آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تجھ

Marfat.com

جو چادر لپیٹے ہوئے پڑا ہے اس سے زیادہ اللہ تعالے کا پیارا اور محبوب میں کسی کو نہیں جانتا ہوں اُسوقت کہ وہ اپنے نامۂ اعمال سمیت اللہ تعالے سے ملاقات کریگا اور دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ابو جحیفہ علی رضی اللہ عنہ کو تمام اُمت سے افضل اعتقاد کرتا تھا۔ ایک جماعت سے ملا جو اُسکی مخالف تھی اور اُن کی مخالفت سے اُسے سخت رنج ہوا اور علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اُس کو غمگین دیکھکر تخلیہ میں لے گئے اور اُس سے فرمایا کہ اے ابا جحیفہ اس رنجش کا کیا سبب ہے اُس نے حال عرض کیا آپ نے فرمایا اے ابا جحیفہ خبر دیتا ہوں میں تجھکو کہ اس اُمت کا کون بہتر ہے۔ اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں اُن کے بعد عمر ہیں رضی اللہ عنہما۔ ابو جحیفہ نے کہا کہ میں نے عہد کیا اللہ تعالے سے کہ اس حدیث کو بین نے علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بالمشافہہ سنی ہے ہرگز نہین چھپانے کا اور یہ بھی ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ علی مرتضے رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ممبر پر فرمایا کہ بعد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہما اور اسی کی مانند اور حدیثیں اور خبریں بہت ہیں کہ مشہور ہیں بلکہ تواتر کے درجے کو پہونچی ہیں اور شیعہ کہتے ہیں یہ سب اور جو کچھ اسباب ہیں آئمہ اور اہلبیت رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوا ہے صرف تقیّہ اور خوف کے سبب تھا یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف اُنھوں نے صرف دشمنون اور اپنی جان کے خوف سے کی تھی اگر ایسا نہ کرتے تو وہ رہ نہ سکتے اور سلامتی اُن پر سے اٹھ جاتی اور اُن کے دلوں میں اُس کے برخلاف تھا لیکن یہ کلام ان کا عقل سے نہایت دور اور کمال رکیک ہے اس سے لازم آتا ہے کہ علی مرتضے رضی اللہ عنہ کہ خدا تعالے کے شیر اور حق کے دائرے کے مرکز تھے ایسے ذلیل و مغلوب و مقہور ہوئے کہ حق کے اظہار اور باطل کے رد کرنے سے عاجز رہے اور اپنی زندگی ہمیشہ خوف و عجز میں گذاری سوچنے کی جگہ ہے جبکہ اسد اللہ اُنکا لقب ہوا اور لا یخافون لومۃ لائم اُن کی صفت ہو اور علی مع القرآن و قرآن مع علی ان کی منقبت ہو پھر خوف و عجز اور حق کے چھپانے کا کیا محل ہے شہرت اور تواتر کے درجے کو پہنچا ہوا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ حق ظاہر کرنے اور نصیحت قائم کرنے میں کسی کا خوف اور ڈر نہیں رکھتے تھے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ علی رضی اللہ عنہ پر خلقت جمع نہ ہوئی اور آپ سے متنفر رہی اس کا کیا سبب ہے کہا کہ آپ حق بات کے اظہار کرنے میں کسی کی رو رعایت نہ کرتے تھے اور کسی سے مداہنت و مسالات نہ رکھتے تھے اور شافعی رحمۃ اللہ عنہ نے

Marfat.com

کہا کہ وہ زاہد تھے اور زاہد کا دنیا داروں سے ملاپ نہیں ہوتا۔ اور عالم تھے اور عالم کسی کی خوشامد نہیں کرتے اور شجاع اور بہادر تھے اور بہادر کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا اور شریف تھے اور شریف کو کسی کی پروا نہیں ہوتی اس سبب سے آپ لوگوں سے دور و متنفر رہے اور آپ سے لوگوں نے نفرت کی اور جمع نہ ہوئے۔ پس ایسے شخص نے کس طرح تقیہ کیا اور شیخین کے زمانے میں فقط ظاہر میں تقیہ ہوتا تو ممکن تھا لیکن خاص اپنی خلافت و شوکت کے زمانے میں اور عین خلوت میں اور خاص اپنے دوستوں اور تابعداروں سے اس قسم کا بیان کرنا کیونکر تقیہ پر محمول ہو سکتا ہے اور یہ تقیہ کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتا ہے اور امام محمد باقر اور آپ کے آبا اور اولاد رضی اللہ عنہم سے ہر وقت میں اس قسم کے سوالات ہوئے ہیں کہ آپ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے باب میں کیا کہتے ہیں۔ سب نے یہی فرمایا کہ ہم انکو نہایت دوست رکھتے ہیں اور جب یہ پوچھا گیا کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ یہ کلام تقیہ سے کرتے ہیں اور آپ کے دل میں اسکا خلاف ہے تو انہوں نے جواب میں یہی فرمایا کہ خوف زندوں سے ہوتا ہے نہ مردوں سے اور امام باقر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہشام ابن عبدالملک ابن مروان کو سب برا کہتے چلے آئے ہیں اور وہ اپنے وقت کا امیر و بادشاہ تھا اگر ہم تقیہ کرتے تو اسکی بھی تعریف کرتے۔ پس جبکہ امام باقر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہے اور آپ علی رضی اللہ عنہ کے جگر کے ٹکڑے ہیں تو علی مرتضے رضی اللہ عنہ کا کیا حال ہوگا کہ قوت و شجاعت اور عدل کی کثرت اور جنگ کی شدت میں وہ کل کے کل ہیں[1] اگر ان کو خوف و تقیہ ہوتا تو امیر معاویہ اور بنی مروان سے جاہلیت اور اسلام کے زمانے میں باوجود اُن کی اسقدر کثرت کے اور باغیوں اور خارجیوں سے کیوں لڑتے اور ان لڑائیوں میں آپنے حرب و قتال و اظہار حق و تائید دین کی ایسی داد دی ہے کہ اُس سے زیادہ متصور نہیں ہو سکتی اور یہ سب کوشش فقط اسی واسطے تھی کہ دین کا امر اعتدال کے دائرے سے باہر نہ ہونے پاوے جب حق کا تغیر اور دین کے کام میں سستی دیکھی اسی وقت رد و ابطال کو اپنے اوپر واجب سمجھا اور اپنے اپنے بعض شیعہ کو جنہوں نے اس مقدمے میں افراط و تفریط اور غلو کیا تھا نکلوا دیا چنانچہ عبداللہ ابن سبا کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا اور حکم دیا کہ جس شہر میں ہم ہوں وہاں آنے نہ پاوے۔ اور یہ ابن سبا یہودی تھا کہ اُس نے آپ کے ہاتھ پر اسلام ظاہر کیا تھا اور حقیقت میں منافق تھا

[1] یعنی یہ سب صفات ان میں جمع ہیں۔

اور رافضیوں کا پیشوا اور اس مذہب کا موجد بھی تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتا تھا اور علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہوا تا تھا آپ نے اُسکے بعض کلمات سُن لئے تھے اس لئے اُسے یہ سزا جلا وطن ہونے کی دی اور نکلوا دیا اور ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی مدح وثنا میں آپ نے اتنے خطبے فرمائے ہیں کہ ان پر اطلاع ہونے کے بعد کسی طعن کرنے والے کو دم مارنے کی مجال نہیں رہ سکتی اگر علمائے سنت وجماعت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت بلکہ اس افضلیت کی قطعیت میں فقط اُسی پر اکتفا کریں تو استدلال کو کافی اور وافی ہوں اور بعضے شیعہ جو انصاف واعتدال کے رستے سے باہر نہیں گئے ہیں اُسکا یہی سبب ہے کہ عبد الرزاق نے کہ صاحب روایت وعالم حدیث ہے کہا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل میں اس لئے کرتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر اُنکی تفضیل آپ کی ہے اس سے زیادہ اور کیا بڑا گناہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو ہم دوست رکھیں اور اُنکی مخالفت کریں یہ تمام ترجمہ ابن حجر کے کلام کا ہے اگر انصاف کی آنکھ سے دیکھیں تو معلوم ہو جاوے کہ اور کتابوں میں ان تفصیل سے بیان کم ہوا ہے چاہیئے کہ اول سے آخر تک دیکھکر اور سب کو ملا کر غور کریں اور اضطراب اور جلدی نہ کریں واللہ اعلم وَمِنْهُ التوفيق - فَبَاقِي الْعَشْرَةِ الْمُبَشَّرَةِ بعد چاروں خلیفوں کے باقی عشرہ مبشرہ کو بزرگی ہے اور عشرہ مبشرہ ان دس صحابیوں کا نام ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنکو بہشت کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے ابوبکر فی الجنۃ وعمر فی الجنۃ وعثمان فی الجنۃ وعلی فی الجنۃ وطلحۃ فی الجنۃ والزبیر فی الجنۃ وعبد الرحمن بن عوف فی الجنۃ وسعد بن ابی وقاص فی الجنۃ وسعید بن زید فی الجنۃ وابو عبیدۃ بن الجراح فی الجنۃ اور یہ دس آدمی تمام اُمت میں سے بہتر وافضل اور قریش کے سردار ہیں اور مہاجرین کے پیشوا اور نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین اور اُنکی بزرگیاں اور کوششیں دین اسلام میں اسقدر ثابت ہیں کہ اوروں کی نہیں ہیں اور ان کا بہشتی ہونا قطعی ہے لیکن یہ بشارت کی قطعیت خاص انہیں کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کے سوا اوروں کو بھی نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے جیسے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور خدیجۃ الکبریٰ وعائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حمزہ وعباس وسلمان وصہیب وعمار بن یاسر رضی اللہ عنہم ان دس کا لقب جنتی اس سبب سے

ذکر عشرہ مبشرہ

ابوبکر فی الجنۃ وعمر فی الجنۃ وعثمان فی الجنۃ وعلی فی الجنۃ

مشہور ہوگیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ایک ہی وقت مین ان کا بیان فرمایا ہے
اور عقائد میں انکا بیان اسواسطے آیا ہی کہ انکی شان میں اہتمام زیادہ ہے اور جن لوگوں کے دل میں زنگ ہی
اور ان بزرگوں کی بے ادبی کرتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں انکی مذمت کا رد بھی مقصود ہے اور عوام جانتے
ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کی بشارت کا قطعی ہونا انہیں دس کے لئے مخصوص ہے یہ گمان انکا محض غلط
ہے اور ان کے جہل صریح پر دلالت کرتا ہے اور بعضے طالب علم عربی خواں کہ عوام جاہلوں سے آدہا
قدم آگے بڑہکر رہتے ہیں یوں کہتے ہیں کہ اوروں کو بھی بشارت ہی لیکن ان دس کی بشارت قوت اور شہرت
میں متواتر ہے اور نمشار اس گمان کا حدیثوں کا نہ پڑتا لنا ہی اور اس علم شریف کی خدمت میں تقصیر اسکا باعث
ہے تجاوز کرے اللہ اُن سے اور اس بحث کو ہم نے ایک کتاب میں جسکا نام تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارۃ
ہے تفصیل وتحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسقدر اہل بشارت کے نام حدیثوں میں آئے ہیں اور اپنی
نظر سے گذرے ہیں سب ذکر کئے ہیں اور حق یہ ہے کہ چاروں خلیفوں اور فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم
اور انکی مانند اور اہل فضائل کی بشارت تواتر معنوی کے درجے کو پہنچی ہے اور دس جو باقی رہے اُن کی
بشارت شہرت کی حد تک پہنچی ہے اور بعضوں کی آحاد کے درجے کو اور جن کے واسطے بشارت نہیں
آئی ہے ان کو یوں کہتے ہیں کہ مومن جنتی ہیں اور کافر جہنمی ہیں مگر کسی کو قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے اور تمام تحقیق
اس کتاب میں مذکور ہے فَاهْلُ بَدْرٍ عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر کو فضیلت ہے اور بدر کا واقعہ
ہجرت کے دوسرے برس ہوا ہے اور دین اسلام کی عزت کے ظاہر ہونیکا یہی سبب ہوا اور اللہ تعالےٰ
نے جو اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ اُس دن پورا
کیا اور عتبہ وشیبہ وابوجہل وغیرہ سرداران قریش جو دین کے دشمن تھے وہ اس غزوے میں مارے
گئے اور جہنم میں پہنچے اللہ انکو لعنت کرے اور پانچہزار فرشتوں نے مومنین کی مدد کی اور اس غزوے
میں شریک ہوئے عشرہ مبشرہ بدر کی لڑائی میں موجود تھے سوائے عثمان رضی اللہ عنہ کے وہ
بسبب بیماری حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادے کے کہ آپ کے
حکم سے مدینہ طیبہ میں رہے تھے لیکن نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو اہل بدر میں گنا اور
غنیمت میں شریک کیا اور اہل بدر تین سو تیرہ ہیں یہ سب قطعی بہشتی ہیں اور انکی شان میں فرمایا ہی کہ
ان اللہ قد ھو اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم بیشک اللہ مطلع ہوا بدر والوں پر پس فرمایا

Marfat.com

اِعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم جو عمل چاہو کرو میں نے تم کو بخشا دوسری جگہ فرمایا لن یدخل اللہ النار رجلا شهد بدرا والحدیبیة نہیں داخل ہوگا آگ میں وہ مرد کہ حاضر ہوا بدر میں یا حدیبیہ میں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ فرشتے کہ غزوہ بدر میں حاضر تھے اللہ تعالٰی کی درگاہ میں ایسی عزت و بزرگی رکھتے ہیں کہ اور فرشتوں کو حاصل نہیں ہے فاضل اہل بدر کے احد والوں کی بزرگی ہے یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے برس واقع ہوا ہے اور اس میں اہل اسلام پر آزمائش و شدت پہنچی ہے اور دندان مبارک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسی جگہ مجروح ہوا ہے اور یہ خیال نہ کریں کہ آپ کا دندان مبارک جڑ سے نکل آیا تھا بلکہ اس کا ایک کونہ ٹوٹ گیا تھا اور سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ عبد المطلب کے بیٹے اور ستر صحابی رضی اللہ عنہم اور شہید ہوئے۔ اور عشرہ مبشرہ بھی احد میں داخل تھے اور مشرکوں کا سردار اس غزوے میں ابو سفیان اموی تھا کہ غزوے بدر کے بعد اُس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن اصحاب رضی اللہ عنہم سے بدلا نہ لوں گا عورت سے صحبت نہیں کرنے کا اور بدن پر تیل نہیں ملنے کا جس سال مکہ معظمہ فتح ہوا یہ ابو سفیان اور معاویہ ابو سفیان کا بیٹا ایمان لائے ہیں فاھل بیعتہ الرضوان اہل احد کے بعد بیعت رضوان والوں کو بزرگی ہے بیعت رضوان اس بیعت کا نام کہ مسلمانوں نے حدیبیہ کی صلح سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر کی تھی جس کا قرآن مجید میں بیان ہے۔

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة

بیشک اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جبکہ اے محمدؐ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے لا یدخل النار احد بایع تحت الشجرة نہیں داخل ہوگا آگ میں جس نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ یہ بھی سب بہشتی ہیں اور یہ ترتیب جو بیان ہوئی ہے اس کی افضلیت مجمع علیہ ہے کہ ابو منصور تمیمی نے نقل کیا ہے اور ان سب کے بعد جن کا ذکر کیا گیا سب صحابہ رضی اللہ عنہم کی بزرگی اپنے اپنے درجے اور مقام کے موافق ہے۔ مگر علماء نے اس باب میں تصریح نہیں کی۔ واللہ اعلم

اور اصحاب رضی اللہ عنہم کے بعد بزرگی اور کرامت اس مومن کو ہے جس کو علم اور پرہیزگاری

Marfat.com

زیادہ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ تم میں بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ ڈرنے والا ہو۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولاد کو بھی بعض کو بعض پر علی الترتیب بزرگی ہے لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اولاد کو سب پر بزرگی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

وَفَاطِمَةُ سَیِّدَةُ النِّسَاءِ فِی الْجَنَّةِ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

ہم نے اس مسئلہ کو اس لئے عقائد میں علحدہ ذکر کیا ہے کہ ان تینوں کے حق میں یہ بشارت قطعی ہے اور عوام بشارت کو عشرہ مبشرہ کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور روافض صرف اہل بیت نبوی ہی کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کل ایمان والی عورتوں پر فضیلت ہے کہ جن پر عنوان کلمہ اہل جنت کا آیا ہے یہانتک کہ مریم عمران کی بیٹی اور عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر بھی۔ اور ایسا ہی ذکر کیا ہے سیوطی نے اور بعض حدیثوں میں زہرا رضی اللہ عنہا کی تفضیل مطلق واقع ہوئی ہے۔ جیساکہ اس حدیث میں ہے۔ اور بعض حدیثوں میں مریم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو استثنا کیا ہے اُن عورتوں میں سے جن پر زہرا رضی اللہ عنہا کو تفضیل دی ہے پس اس میں احتمال ہے کہ مریم کا رتبہ زہرا کے برابر ہو یا ان سے زیادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ سب عورتوں میں افضل فاطمہ ہیں اور خدیجہ اور عائشہ اور مریم اور آسیہ رضی اللہ عنہن ظاہر اس حدیث کا ان سب کی مساوات پر دلالت کرتا ہے یا توقف پر۔ ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ فاطمہ اس امت میں ایسی ہے جیسے مریم اپنے قوم میں رضی اللہ عنہما یعنی اپنے غیر سے زیادہ بزرگ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان خبروں کے اختلاف کا سبب زہرا رضی اللہ عنہا کے مرتبے اور درجوں کی اطلاع ہو جیسا اللہ کریم حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کرتا رہا اور خبر دیتا رہا ویسا ہی آپ فرماتے رہے۔ اور سب سے آخر وہ خبر دی جس سے عموماً تمام جہان کی عورتوں پر انکی بزرگی ثابت ہے واللہ عالم۔

اور بعض علماء عائشہ رضی اللہ عنہا کو فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بزرگی دیتے ہیں کسواسطے کہ وہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہشت میں ہونگی اور یہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ اور بیشک

حضرت فاطمہ زہرا جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں

Marfat.com

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان علی رضی اللہ عنہ کے مکان سے اعلیٰ درجہ کا ہوگا لیکن حدیثوں میں آیا ہے کہ آپ نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں اور تو اور علیؓ اور حسنؓ اور حسینؓ سب ایک ہی مکان میں ہونگے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہد تھیں کہ خلفاء کے زمانہ میں اجتہاد کرتی تھیں اور فتوے دیتی تھیں اور بعضے کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد خدیجہ کے سب عورتوں سے افضل ہیں اور سیوطی نے اپنے فتاوی میں کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں اصح یہ ہے کہ فاطمہؓ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں کا مرتبہ برابر ہے اور بعض نے توقف کیا ہے بہت سے علماء حنفیہ اور بعض شافعیہ توقف کی طرف مائل ہیں اور جب مالک رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو کہا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنَ النَّبِيِّ یعنی فاطمہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا ہے وَلَا أُفَضِّلُ عَلَى بِضْعَةٍ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أَحَدًا اور نہیں افضل کہتا ہوں میں جگر پارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی دوسرے کو۔ امام سبکی نے کہا جو مختار اور دین ہمارا ہے وہ یہ ہے کہ فاطمہ سب سے افضل ہیں انکے بعد ان کی والدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا ان کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا سیوطی نے کہا ہے کہ سب عورتوں سے افضل مریم اور فاطمہ ہیں اور سب امہات المومنین سے خدیجہ اور عائشہ افضل ہیں رضی اللہ عنہن۔ خصائص خضری میں مذکور ہے کہ خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما میں بھی اختلاف ہے۔ متقدمین کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں اور بعض حدیثوں میں ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سب سے زیادہ کامل اور افضل مریم عمران کی بیٹی اور فاطمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی اور آسیہ فرعون کی بیوی ہیں رضی اللہ عنہن اور بخاری کی بعض روایات آسیہ بنت مزاحم واقع ہوا ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ فاطمہ زہرا عائشہ صدیقہ سے افضل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى غَيْرِهِ مِنَ الطَّعَامِ اس سے یہ معلوم ہوا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چاروں عورتوں مذکورہ سے افضل ہیں۔ انتہی

کہتا ہے بندہ ضعیف (عبدالحق) اللہ اسکا حال درست کرے کہ حق یہ ہے کہ افضلیت کے اسباب مختلف ہیں لیکن حدیثوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاطمہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

سب اولاد سے زیادہ پیاری تھیں اور خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا سب بیبیوں سے زیادہ پیاری تھیں اگر افضیلت و محبت کے سبب مختلف نہ رکھیں تو مشکل ہے اسواسطے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب بیبیوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا زیادہ پیاری تھیں اور سب مردوں میں زیادہ پیارے انکے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ عورتوں میں سب سے زیادہ پیاری فاطمہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سب سے زیادہ پیارے علی رضی اللہ عنہ تھے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سوا رسب سے بزرگ ہیں یہانتک کہ اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی۔

پس اگر حیثیت مختلف کا اعتبار نکریں تو نہایت مشکل ہے اور افضلیت کے معنی کثرت ثواب ہیں اور اسکی حقیقت اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن ذات کی بزرگی اور طینت کی طہارت اور جوہر کی پاکی میں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین اور اہلبیت رضی اللہ عنہم کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم

وَالْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ بَعْدَهَا مُلْكٌ وَإِمَارَةٌ

اور خلافت تیس برس ہے پھر اسکے بعد امیری اور بادشاہی ہے ایسا ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تصیر بعد ھا ملکا عضوضا یعنی خلافت میرے بعد تیس برس ہے پھر بادشاہت کاٹنے والی ہو گی کہ اس کے ڈنک سے بہت کم سلامت رہینگے۔ تمامی تیس سال کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک پوری ہو گئی اور تحقیق یہ ہے کہ چھ مہینہ اس میں باقی رہے تھے امام المسلمین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اس مدت میں خلیفہ رہے انکی خلافت سے علیحدہ ہونے پر خلافت راشدہ کی مدت تیس سال پوری ہو گئی۔ پس معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جو آپ کے بعد حاکم ہوئے وہ خلیفہ نہ تھے بلکہ بادشاہ و امیر تھے اور خلفاء عباسیہ کو جو خلفاء کہتے ہیں یہ مجاز اور باعتبار ظاہر کے ہے اور محقق حنفی شیخ کمال الدین بن ہمام نے مسایرہ میں کہا ہے کہ تمام اہل حق اسپر اتفاق رکھتے ہیں کہ امیر معاویہ بادشاہ تھے نہ خلیفہ اور بعد شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکے امام ہونے میں اہل سنت کے مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں امام ہوئے بعض کہتے ہیں امام نہیں ہوئے۔ جو امام ہونا تسلیم کرتے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ان کو امامت سپرد کر دی تھی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

وَنَكُفُّ عَنْ ذِكْرِ الصَّحَابَةِ إِلَّا بِخَيْرٍ اور ہم اہل سنت صحابہ جب ذکر کرتے

ہیں بھلائی سے کرتے ہیں بُرائی سے زبان کو روکتے ہیں یہی طریقہ اہل سنت کا ہے کہ لعن طعن سب وشتم اعتراض وانکار صحابہ پر نہیں کرتے بے ادبی سے بچتے ہیں اسواسطے کہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت صحبت سے جو وہ مشرف ہوئے ہیں اسکی حفاظت ضروری ہے۔ انکے مناقب اور فضائل قرآن مجید اور حدیث شریف میں موجود ہیں جیسے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو انکے ساتھ ہیں یعنی صحابہ زور آور ہیں کفار پر نرم دل ہیں آپسمیں تو دیکھے انکو رکوع اور سجدہ میں تلاش کرتے ہیں اللہ تعالے کا فضل اور اسکی رضامندی۔ اور دوسری جگہ قرآن شریف میں آیا ہو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ اُن سے یعنی صحابہ رسول سے رضامند ہی اور وہ اللہ سے رضامند ہیں۔ اور حدیث میں ہے اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ میرے صحابہ ستارہی ہیں تم جنکی پیروی انمیں سے کروگے ہدایت پاؤگے۔ اور حدیث میں ہی فرمایا اَكْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ میرے صحابہ کی عزت کرو وہ تم میں بہترین سی ہیں اور جگہ فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ یعنی ڈرو اللہ سے پھر ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے حق میں میرے بعد عیب لگانے کیواسطے انکو نشانہ نہ بناؤ جو شخص انکو دوست رکھتا ہی میری دوستی کے سبب دوست رکھتا ہی اور جو شخص انکو دشمن رکھتا ہی میری دشمنی کے باعث رکھتا ہی اور جس نے انکو ایذا دی اسنے مجھکو ایذا دی اور جس نے مجھکو ایذا دی پس تحقیق خدا کو ایذا دی پس قریب ہے کہ خدا اسکو پکڑ لیگا۔

اور آپس کے جھگڑوں اور اہل بیت نبوی کے حقوق کی حفاظت اور انکے آداب کی رعایت میں جو تقصیریں نقل کیگئی ہیں اگر ان خبروں کی صحت تسلیم کیجاوے تو بھی اُن سے اغماض وتغافل کرنا چاہیے۔ اور کہے کو اَن کہا اور سنے کو اَن سنا سمجھنا چاہیے کیواسطے کہ انکی صحبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یقینی ہے اور وہ نقلیں ظنی ہیں پس ظن یقین کے ساتھ معارض نہیں ہوسکتا اور خبر یقینی ظنی سے متروک نہیں ہوسکتی۔ حاصل یہ کہ معاویہ وعمر بن عاص ومغیرۃ بن شعبہ اور ان جیسوں تک سرحد دار الاسلام ہی کی ہے

Marfat.com

جو کوئی اہل سنت جماعت کے مشائخ کا تابع اور پیرو ہی اسکو لازم ہے کہ انکو بُرا کہنے اور زبان طعن انپر کھولنے سے روکے اگرچہ اہل سیر و تاریخ نے بعض ایسے امر نقل کئے ہیں کہ انکے تصور کرنے سے دل کو حیرانی اور وحشت ہوتی ہی اور کدورت پیدا ہوتی ہی پر سلامتی اغماض کرنے اور زبان بند کرنے میں ہے حدیث میں آیا ہی کہ صفین میں معاویہ کے لشکر میں سے ایک شخص کو گرفتار کرکے عروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا وہاں جو لوگ حاضر تھے انمیں سے ایک شخص کو اسپر رحم آیا اسنے کہا کہ سبحان اللہ میں جانتا تھا کہ بہت اچھا مسلمان ہی اسکا کیا حال ہوگیا آپنے فرمایا کہ یہ اب بھی مسلمان ہی ہی۔ غرض یہ کہ انکو بُرا کہنا اُنپر طعن کرنا اگر دلیل قطعی کے مخالف ہی کفر ہے جیسے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زنا کی تہمت لگانی کہ انکی طہارت اور پاکی قرآن مجید سے ثابت ہی۔ اور جو دلیل قطعی کے مخالف نہ ہو بدعت ہے۔ اہل سنت جماعت کہتے ہیں بڑا جرم معاویہ اور ان جیسوں کا یہ ہی کہ امام برحق و خلیفہ مطلق یعنی علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کی اور اُن پر خروج کیا جیساکہ عمار بن یاسر کی حدیث سے کہ شہرت و تواتر معنوی کے درجہ کو پہنچی ہے ثابت ہوتا ہی تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَكَ اِلَى النَّارِ یعنی اے عمار ایک گروہ باغی تیرے سے قتال کریگا تو انکو جنت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ تجھے دوزخ کی طرف بلاوینگے۔ یہ کفر نہیں ہے اور نہ لعنت کرنے کے لائق ہی اور علماء مجتہدین و سلف سابقین میں سے کسی نے اُن پر لعنت نہیں کی۔ اصل عادت اہل سنت کی سب و لعن کا ترک کرنا ہے کہ مومن پر لعنت درست نہیں ہی اور کافر پر بھی لعنت جائز نہیں رکھتے کہ اسکے انجام کا حال معلوم نہیں ہے تعجب نہیں کہ اِسکا انجام ایمان اور سعادت پر ہو مگر جبکہ اسکا خاتمہ کفر و شقاوت پر ہو تو لعنت اسپر جائز ہے اور بعضے یزید شقی کے حال میں بھی توقف کرتے ہیں اور بعضے یزید اور اسکے مددگاروں اور یاروں کی شان میں اتنا غلو و افراط کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہوا تھا اسکی اطاعت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھی نعوذ باللہ من ھذا القول و من ھذا الاعتقاد یزید پلید حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے کیونکر امیر ہوسکتا تھا اور مسلمانوں کا اتفاق اسپر کب ہوا اصحاب رضی اللہ عنہم کا گروہ جو اسکے زمانہ میں موجود تھا وہ اور انکی اولاد سب اسکے منکر اور اسکی اطاعت سے خارج تھے۔ ایک جماعت مدینہ طیبہ سے جبرًا و کرہًا شام میں اسکے پاس گئی تھی اور اُس نے اسکی بہت خاطرداری کی تھی لیکن جب اُنہوں نے اسکا حال دیکھا اور مآل کی بُرائی معلوم کی الٹے پھر آئے

اور اسکی بیعت توڑ دی اور کہا کہ وہ یعنی یزید پلید اللہ کا دشمن ہے اور تارک الصلوۃ و شراب خوار و زانی و فاسق اور حرام عورتوں کا حلال کرنے والا ہے۔

بعض نے کہا یزید پلید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور ان کے قتل سے راضی نہ تھا اور اُن کی شہادت کے بعد خوش و مسرور نہیں ہوا یہ کلام بھی باطل و مردود ہے اسواسطے کہ عداوت اس شقی کی اہلبیت نبوی رضی اللہ عنہم سے اور خوشی ان کے قتل سے اور انکی اہانت کرنی یہ سب تواتر کے درجہ کو پہنچی ہے اور اس سے انکار تکلف و مکابرہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا قتل کبیرہ گناہ ہے اسلیئے کہ نفس مومن کا ناحق قتل کرنا کبیرہ ہے نہ کفر اور لعنت کافروں کے ساتھ مخصوص ہے ایسے کلام والوں کے حال پر افسوس ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام پاک پر نظر نہیں ہے کہ بغض و اہانت و ایذا فاطمہ رضی اللہ عنہا اور انکی اولاد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغض و اہانت و ایذا ہے اور وہ بیشک کفر و لعنت و جہنم میں سزایاب ہونگے کیونکہ یہ آیت اس پر دال ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا اور جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کو انکو پھٹکارا اللہ نے دنیا اور آخرت میں اور تیار کیا انکے واسطے عذاب دردناک۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید پلید کا خاتمہ معلوم نہیں شاید کہ اُسنے کفر و گناہ کی بعد توبہ کر لی ہو اور خاتمہ اُسکا توبہ کیحالت میں ہوا ہو امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان احیاء العلوم میں اسی کی طرف ہے۔ امام احمد حنبل اور علماء سلف نے ان پر لعنت کی ہے اور ابن جوزی نے کہ حفظ سنت اور شریعت میں کمال شدت و عصبیت رکھتے ہیں اپنی کتاب میں سلف سے اس پر لعنت معلوم ہوتی ہے بعض نے منع کیا ہے بعض توقف میں رہے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک یزید پلید سب آدمیوں سے زیادہ بدتر و مغبوض اور اس بے سعادت نے وہ کام کئے ہیں کہ اس امت میں کسی نے نہیں کئے بعد قتل امام حسین علیہ السلام کے اور اہلبیت کی اہانت کی اس نے مدینہ منورہ کے خراب کرنے کو اور وہاں کے رہنے والوں کے قتل کرنے کو لشکر بھیجا اور بقیہ اصحاب و تابعین رضی اللہ عنہم کے قتل کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کی تخریب کے بعد مکہ معظمہ اور اس کی حرم شریف پر قبضہ کرنے کا اور عبداللہ بن زبیر کے قتل کا حکم دیا انہیں دنوں اسی حالت میں وہ مر گیا ایسے حال میں توبہ و رجوع کا کیا احتمال ہے اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمام اسلام کے دلوں کو اور اُس کے دوستوں اور مددگاروں کی محبت سے دور رکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

کے اہلبیت کے ساتھ جسنے برائی کی ہو یا اُن کا بُرا چاہا ہو یا ان کا حق برباد کیا ہو اور ان کے ساتھ سچی عقیدت کا رستہ نہ چلا ہو ان سب کی محبت سے اللہ کریم پاک رکھے اور بچاوے اور ہم کو اور ہمارے دوستوں کو قیامت کے دن اہلبیت وصحابہ کے گروہ میں اٹھاوے اور دنیا وآخرت میں ان کے راستہ پر چلاوے بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ

وَالْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ یعنی مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے کبھی صواب پر ہوتا ہے مذہب مختار یہی ہے کہ مجتہد کبھی خطا پر ہوتا ہے اور وہ اس اجتہادی خطا میں معذور بلکہ ماجور ہے یعنی اسکو اس خطا پر اجر بھی ملتا ہے اس لئے کہ اُس نے اپنی طاقت کے بموجب اجتہاد میں خوب کوشش کی اور اِفْنَا جِہد یعنی راہ راست وصواب پر پہنچانا یہ خدا کا کام ہے حدیث میں آیا ہے اِنْ اَخْطَأْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ وَاِنْ اَصَبْتَ فَلَكَ حَسَنَتَانِ یعنے اگر تو نے اجتہاد میں خطا کی تو تیرے واسطے ایک نیکی ہے اور اگر راہ راست پر پہنچا تو تیرے لئے دو نیکیاں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مجتہد مصیب ہے، اور اسکے لئے وہی حق ہے جو اسکے اجتہاد کی انتہا ہے۔ یہ اختلاف مسائل فرعیہ اور عملیہ اور احکام فقہیہ میں ہے کیونکہ اس باب میں ظن غالب پر کفایت ہے اور یہی اولی اور احری ہے۔ جزم اور یقین کی ضرورت نہیں۔ اعتقادیات اور مسائل کلامیہ میں حق ایک ہی ہے کسواسطے کہ وہ نفس الامر اور واقعہ کی خبر ہے اور واقعہ نفس الامر ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اجتہاد کی شرطیں اور اُسکے احکام اور غیر مجتہد کی تقلید اور اسکا لازم کرنا اور اس سے رجوع کرنا یہ سب اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

وَلَا نُكَفِّرُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ اور ہم کافر نہیں کہتے اہل قبلہ میں سے کسی کو۔ اہل قبلہ وہ ہیں کہ مسلمانوں کے قبلہ کیطرف نماز پڑھتے ہیں اور کتاب وسنت یعنی قرآن وحدیث پر چلتے ہیں اور انکی سند پکڑتے ہیں اور کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں پس اُنکو کافر نہ کہنا چاہئے اگرچہ ان سے بعضے ایسے کلمے صادر ہوں جن سے کفر لازم آتا ہو لیکن جب وہ اسکا التزام نکریں یا اُن کلمات میں سے کفر کا لازم آنا صاف طور معلوم نہ ہوتا ہو۔ انکو کافر نہ کہنا چاہیئے اور جبتک ممکن ہو مسلمانوں کے کلام کی توجیہ اور اُنکے حال کی درستی کرنی چاہیئے اور کافر کہنے میں جلدی اور تشدد نہ کرنا چاہیئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے جو کوئی کسی کو کافر کہتا ہے اگر حقیقت میں وہ کافر نہیں ہوتا تو کہنے والا اُسی وقت کافر ہو جاتا ہے اور لعنت کرنے کا بھی ایسا ہی حکم ہے یعنی وہ شخص جس کو لعنت کی ہے لعنت کا مستحق نہیں ہے تو وہ

لعنت کہنے والے پر اُلٹی آتی ہے پس لعنت کرنے اور کافر کہنے کے ترک کرنے ہی میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم

وَرُسُلُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ رُسُلِ الْمَلَائِكَةِ وَرُسُلُ الْمَلَائِكَةِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْبَشَرِ وَعَامَّةُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْمَلَائِكَةِ

خواص بشر کہ انبیاء و رسول ہیں خواص فرشتوں سے کہ رسول اور پیغمبر فرشتوں میں سے ہیں افضل ہیں۔ اور خواص فرشتوں میں سے جو رسول ہیں وہ عوام بشر سے افضل ہیں اور عوام بشر کہ پیغمبر نہیں ہیں یعنی اولیاء و اتقیاء و بزرگان دین عوام ملائکہ سے افضل ہیں یہ مسئلہ اجماعی ہے اسمیں اختلاف بالکل نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ فرشتوں سے بشر کے افضل ہونیکی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو حکم کیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور سجدہ اقسام خدمت سے ہے نہایت تعظیم پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ادنیٰ کو اعلےٰ کی خدمت کا حکم کیا جاوے اور جب آدم علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوئی تو سب انبیاء علیہم السلام کی ثابت ہوئی اسواسطے کہ انبیاء علیہم السلام سب برابر ہیں۔ یہ کلام نہایت غریب ہے اسلئے کہ اللہ تعالےٰ کی حکمتوں کا کون احاطہ کر سکتا ہے کہ کہتے ہیں اپنی حکمتوں کو وہی خوب جانتا ہے کبھی اعلیٰ کو ادنیٰ کی خدمت کا حکم کرتا ہے تاکہ اپنی قدرت کے کمال کو ظاہر کرے یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید الکریم جو چاہے کرے اور جو اسکا ارادہ ہو اسکا حکم دے۔

دوسرے یہ کہ اہل سنت و جماعت کے مذہب میں اللہ تعالےٰ پر حکمت کی رعایت واجب نہیں ہے مگر معتزلہ کے نزدیک واجب ہے اور وہ ملائکہ کی افضلیت کے قائل ہیں اسلئے یہ دلیل انکے مقابلہ میں الزامی ہو سکتی ہے

دوسری دلیل یہ ہے کہ طاعات و عبادات کا بجالانا اور کمالات کا حاصل کرنا باوجود اسقدر علاقوں کے اور منع کرنے والوں کے نہایت مشکل اور سخت و شوار ہے اسلئے اسکا ثواب بھی اللہ تعالےٰ کے ہاں بہت زیادہ ہے پس اگر افضلیت کے معنی کثرت ثواب کے لیے جاویں تو آدمی کی افضلیت کی یہ کامل دلیل ہے اور علائق جسمانی سے پاک اور بدن کی کدورتوں سے صاف ہونا یہ افضلیت ملائکہ میں ہے اسی لئے بعض محققین نے کہا ہے کہ افضلیت کی حقیقۃً مختلف ہے اور صرف نزاع لفظی ہے کہ عبادت کی صعوبت اور مجاہدے کی شدت کے باعث تو بشر افضل ہے اور اللہ تعالےٰ کی نزدیکی اور جسم کی پاکی و نورانیت کی جہت سے فرشتے افضل ہیں اور آدمی کا کمال و ترقی اسمیں ہے کہ ملائکہ کی نزدیکی کو پہنچے اور ملکوت اعلیٰ سے جا ملے پھر اگر انسان کی جامعیت اور اسماء و صفات الٰہی کا مظہر اور اللہ تعالےٰ کا خلیفہ ہونا دیکھا جاوے اور

اُسکے اُن کمالات پر نظر کیجاوے تو انسان ہی راجح آوے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ دلیل متعارض ہے اور مسئلہ ظنی ہے یقین کو وہاں راہ نہیں واللہ اعلم۔

باوجود اسکے اعتقاد کرنا چاہیے کہ رسولوں کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے سردار جن وانس اور سب مخلوقات سے افضل ہیں اور یہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی فرشتوں پر جو بیان ہوئی ہے اہل سنت وجماعت کا یہی مذہب ہے اور معتزلہ کے نزدیک فرشتے بشر سے افضل ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں تردد وتوقف نقل کیا گیا ہے بسبب معارض ہوئے دلیلوں کے اور کہتے ہیں کہ وہ پہلے فرشتوں کی افضلیت کے قائل تھے آخر اس سے بشر کی افضلیت کی طرف رجوع کی اور قاضی ابوبکر باقلانی سے بھی توقف نقل کیا گیا ہے۔ امام تاج الدین سبکی نے کہ ائمہ شافعیہ میں مشہور ہیں کہا ہے کہ اگر کسی کی ساری عمر گذر جاوے اور اسکے دل پر انبیاء علیہم السلام کی بزرگی فرشتوں پر خطرہ نہ کرے امیدوار ہوں کہ قیامت کو اس سے سوال نہ کریں۔ انتہی اور بعض کہتے ہیں کہ ظاہرا مسئلہ تفضیل ہر جگہ یہی حکم رکھتا ہے اور کلام کا انجام اسی پر ہے کہ حیثیتوں کا اختلاف ہے واللہ اعلم۔

وَكَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ کرامتیں اولیاء اللہ کی حق ہیں۔ ولی وہ ہے کہ اسکو اللہ کی معرفت پوری حاصل ہو اور اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت کامل کرتا ہو اور گناہوں سے دور بھاگتا ہو اور دنیا کی لذتوں اور خواہشوں کی طرف متوجہ نہ ہو روا ہے کہ اس سے خرق عادات ظاہر ہوں اور حقیقت میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے کہ یہ ولی انکی اُمت میں سے ہے اور معجزے آپکے کئی قسم کے ہیں بعض انمیں سے وہ ہیں کہ نبوت سے پہلے واقع ہوئے ہیں انکو ارہاصات کہتے ہیں اور جو بعد نبوت کے بحالت حیات شریف ہوئے ہیں وہ معجزے کہلاتے ہیں اور بعض رحلت کے بعد آپکی اُمت کے اولیاء اللہ سے ہوئے ہیں انکو کرامات کہتے ہیں پس یہ بھی آپ ہی کے معجزے ہیں کہ آپکے اور آپکے دین کے سچے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ آپکے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور آپکی اُمت کے اولیاء رحمہم اللہ سے ہوئے ہیں کہ انکا ثبوت بطریق شہرت وتواتر کے ہو چکا ہے انکار کی اصلا گنجایش نہیں ہے اور خاصکر بڑے بڑے ولیوں سے بہت بہت کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جیسے حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ رحمہم اللہ سے چنانچہ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کراماتہ بلغت حد التواتر ومعلوم بالاتفاق مابلغت منہا احد من شیوخ الآفاق کرامتیں حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ تواتر کی حد کو پہنچی ہیں اور

بالاتفاق سب جانتے ہیں کہ تمام جہان کے شیوخ میں سے کسی کی کرامتیں انکی برابر نہیں ہوئیں۔
اور بعض کہتے ہیں کہ ولی کی کرامت نبی کے معجزے کی جنس سے نہیں ہوتی ہو جیسے شق قمر و سلام حجر اور
سجدہ شجر اور بعض کہتے ہیں کہ کرامت ولی سے اپنے قصد و اجتہاد سے نہیں ہوتی اور بغیر دعوی ولالت و کرامت
کے بھی ہوتی ہو اور حق یہ ہو کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے بطریق معجزہ کے صادر ہوتا ہو جائز ہو کہ ولی
سے بطور کرامت کے ظاہر ہو اور بے اختیار ہونیکی قید جو لگائی ہو صحیح نہیں ہے وہ اختیار سے بھی ہوتی ہو
اور بے اختیار بھی ہوتی ہو اور کبھی ایسے شخص سے ہوتی ہے کہ ولایت کے مقام میں ثابت قدم و راسخ دم
ہوتا ہو اور اُسکے سچے دعوی کے لئے دلیل ہوتی ہے قَالُوْا وَكَانَ الشَّيْخُ مُحِی الدِّیْن كَثِیْرَ
الدعوی لِحَقٍّ بِحَقٍّ فِیْ حَقٍّ کہا ہو اہل سیر نے کہ شیخ محی الدین عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ بہت
بلانے والے تھے حق کی طرف اللہ کے لئے اللہ کی معرفت کے باب میں۔ اور کرامت کا ہونا ولایت
کی شرط نہیں ہو بہت سے ولی ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سے کرامت نہیں ہوتی اور ولایت کی اصل
دین پر استقامت ہو کہ اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ اور اسمیں حکمت یہ ہو کہ ابتداء میں ہو تو سالک
کی تربیت پر دلالت کرتی ہو۔ اور مجاہدہ میں چست و چالاک کرتی ہو اور یقین کو بڑھاتی ہو اور انتہا میں
مریدوں کی تربیت اور اُنکے تردد اور انکار کے دفع کرنے کا فائدہ دیتی ہو۔
سب قسمیں خرق عادت کی چار ہیں اگر مومن صالح متقی کامل معرفت والے سے ہو اسکو کرامت کہتے
ہیں اور جو نبی سے نبوت کے دعوی پر ہو معجزہ ہو اور اس سے پہلے ارہاص اور مومن اہل صلاح سے ہو
تو اسکو معونت کہتے ہیں اور حقیقت سحر و طلسم و شعبدے کی جدا ہو یہ چیزیں خرق عادت نہیں ہو سکتیں
اسواسطے کہ انمیں عمل اور اسباب کو دخل ہوتا ہو جو کوئی ان عملوں اور سببوں کو کرتا ہو موافق جاری
ہونے عادت کے انکا ثمرہ مرتب ہو جاتا ہو جیسا کہ طبیب حاذق کے علاج پر شفا مرتب ہو جاتی
ہے خرق عادت وہ ہو کہ عادت کے خلاف ہو۔
وَلَا يَبْلُغُ وَلِيٌّ دَرَجَةَ الْاَنْبِيَاءِ اور کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا
اسواسطے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے معصوم ہیں اور عزل و برطرفی سے بیخوف ہیں اور انکو برے
خاتمے کا بھی خوف نہیں ہو اور اُنپر وحی آتی ہے اور انکو حکم ہے کہ اللہ تعالٰے کے احکام اور ہدایت
خلق اللہ کو پہنچا دیں یہ سب درجے انبیاء کے اُن کمالات سے کہ اولیاء کو حاصل ہوتے ہیں زیادہ ہیں

Marfat.com

حاصل یہ کہ افضلیت نبی کی ولی سے قطعی و یقینی ہی جو کوئی اسکے خلاف اعتقاد کریگا وہ کافر ہی۔

کَمَا صَرَّحَ بِهِ الْعُلَمَاءُ اور یہ جو کہا ہی کہ اَلْوِلَایَةُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ یعنی ولایت نبوت سے افضل ہے اس سے ولایت کی تفضیل و ترجیح نبوت پر ثابت ہوتی ہی لیکن ولی کی تفضیل نبی پر لازم نہیں آتی اسواسطے کہ ولایت اللہ تعالےٰ کے ساتھ قرب حاصل ہونیکی نسبت ہی۔ اور اللہ تعالےٰ کی جانب اقدس سے فائدہ و فیض حاصل کرنا اور نبوت خلق اللہ کو خبریں اور فائدہ و فیض پہنچانا اور ضرور وہ نسبت یعنی قرب مع اللہ اس نسبت سے شریف اور فاضل ہی اور نبی ان دونوں صفتوں کا جامع ہی پس وہ ولی سے فاضل ہوتا ہی اور باوجود اسکے اس کلام کا کہنے والا معلوم نہیں کہ کون ہی اور اسنے کس غرض سے کہا ہی اگر اسکی مراد ولی کی تفضیل ہی نبی پر تو یہ کلام باطل اور واجب الرد ہے اور جس نے کہا ہی وہ بھی۔

وَلَا يَصِلُ الْعَبْدُ اِلٰى حَيْثُ يَسْقُطُ عَنْهُ الْاَمْرُ وَالنَّهْيُ اور بندہ ایسے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ شرع کی تکلیفیں اُس سے ساقط ہو جاویں جیسا کہ اہل الحاد و اباحت کہتے ہیں کہ جب بندہ محبت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہی اور اُسکو قلب کی صفائی حاصل ہو جاتی ہی اور اسکا ایمان راسخ ہو جاتا ہی احکام شرعی اس سے ساقط ہو جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالےٰ اسکو کبیرہ گناہ پر نہیں پکڑتا یہ کلام محض کفر و گمراہی ہی اور حق تعالےٰ سے بیخبری ہی اس لئے کہ جب محبت بندہ پر غالب آتی ہی اور اسکا دل صاف ہو جاتا ہی اور ایمان راسخ تو وہ طاعت و عبادت میں بڑھ جاتا ہی اور کامل ہو جاتا ہی نہ یہ کہ یہ صفتیں اسکی ناقص ہو جاویں اور ساقط ہو جاویں۔ گناہ پر پکڑنا یا نہ پکڑنا یہ اللہ تعالےٰ کی مشیت پر موقوف ہی وہ مختار ہی چاہے پکڑے یا نہ پکڑے لیکن تکلیف کا ساقط ہونا صورت نہیں رکھتا۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے محبت و ایمان میں کون زیادہ ہی انکے حق میں تو تکلیف پوری اور کامل ہے اسکے جواب میں بعض کہا کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال احکام الٰہی کے جاری کرنیکے واسطے ہوتے ہیں اور شریعت کے وضع کرنیکے واسطے لہٰذا انبیاء کو احکام کا ترک کرنا لائق نہیں۔ یہ لوگ شرع جاری کرنے کے معنی بھی نہیں سمجھتے اور اتنا خیال نہیں کرتے کہ شرع اسواسطے ہی کہ لوگ اسپر عمل کریں اور پیغمبروں سے اقوال کا اتباع کریں پس لوگوں کو عمل کرنا چاہئے کہ شرع جاری کرنیکی مصلحت باطل نہ ہو جاوے اور سقوط تکالیف کسی صورت میں جائز نہیں

وَالنُّصُوْصُ تُحْمَلُ عَلٰى ظَوَاهِرِهَا یعنی آیات اور احادیث کو انکے ظاہر پر چھوڑ دینا چاہیے اور بے ضرورت انکی تاویل نہ کرنی چاہیئے اس مقام کی تحقیق اور تاویل کی شرطیں اور اسکا جائز ہونا یا نہ جائز

Marfat.com

ہونا کتاب التفرقہ بین الکفر والزندقہ کہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے ہے طلب کرنی چاہیئے۔

وَالْعُدُوْلُ عَنْهَا اِلٰى مَعَانٍ يَدَّعِيْهَا اَهْلُ الْبَاطِنِ الْحَادٌ اور آیات واحادیث کے ظاہری معنی سے عدول کرنا ایسے معنی کی طرف کہ الفاظ کے باطن کی طرف پھیرنے والے انکا دعوی کرتے ہیں الحاد ہی۔ اور یہ فرقہ باطنیہ و ملاحدہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے ظاہر معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اُن سے رموز اور اشارے باطن کے مراد ہیں کہ بجز معلم کے اُن تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور یہ لوگ امام معصوم کو معلم کہتے ہیں کہ حق کی معرفت بغیر اسکی تعلیم کے انکے نزدیک حاصل نہیں ہو سکتی پس یہ کلام انکا زندقہ والحاد ہی اگر ظاہر کے معنی مراد نہیں ہیں تو نماز و روزہ اور طاعات وعبادات اور شریعتیں اور احکام کہاں سے ثابت ہوئے اور کیونکر معلوم ہوئے۔ اور جو کسی کو انکے وصول کا رستہ نہ معلوم ہو تو کتابوں کا نازل کرنا اور شریعتوں کا بیان کرنا بے فائدہ ہوا اور انکے معلم پیغمبروں اور صحابہ اور انکے تابعداروں سے بڑھکر ٹھہرے اسلئے کہ یہ سب نصوص کے ظاہری معنی لیتے تھے اور انکے ظاہر پر عمل کرتے تھے اور اسی پر حکم دیتے تھے اور حقیقت میں ان ملحدوں کا دین کو بگاڑنا اور اسکا باطل کرنا مقصود ہی خذلهم الله ولعنهم اہل تحقیق جو رموز و اشارات کا علم رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ نصوص سے انکے ظاہری معنی مراد ہیں اور باوجود اسکے قرآن مجید میں رمزیں اور اشارے بھی ہیں کہ انکے ظاہری معنوں سے مخالفت نہیں رکھتے مثلاً فرعون و موسی ظاہر میں موجود ہیں اور اُنمیں جو واقعات ہوئے ہیں وہ سب ظاہر میں ہوئے اور باوجود اسکے اگر کوئی روح و نفس کے قصے کیطرف اشارہ کرے ہو سکتا ہی نہ یہ کہے یہاں نہ موسی ہی نہ فرعون ہی فقط روح و نفس ہی مراد ہوا اور فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ سے موسی علیہ السلام کو حکم ہو کہ جوتیاں اتار ڈالے اور وادی مقدس میں ننگے پاؤں ادب سے آوے اور باوجود اسکے عاشقوں کے نزدیک اشارہ ہی دونوں جہان کا دل سے الگ کر دینا کہ اللہ تعالے کی محبت و قربت کی مقام میں اتنا ادب ضروری ہی نہ یہ کہ یہاں وادی مقدس ہی نہ موسی نہ نعلین اس سے زیادہ یاوہ گوئی اور کفر کیا ہوگا

وَفِيْ دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَةِ الْمَرْءِ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَهُمْ اور زندوں کی طرف سے دعا کرنے اور صدقہ دینے میں مردوں کے لیے نفع ہی اس باب میں حدیثیں اور آثار بہت ہیں نماز جنازہ بھی اسی قسم سے ہی۔ حدیث شریف میں آیا ہی جسکے جنازہ پر نو مسلمان نماز پڑھیں اور اسکی بخشش کے واسطے دعا مانگیں بیشک وہ بخشا جاتا ہی۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اس باب میں کیا صدقہ بہتر ہی فرمایا پیاسوں کو پانی پلانا پس سعد رضی اللہ عنہ

زندوں کی طرف سے دعا کرنے اور صدقہ دینے میں مردوں کا نفع ہی

Marfat.com

نے کنواں کھدوایا اور کہا هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ ام سعد کے واسطے ہی۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہی
اَلدُّعَاءُ تَرُدُّ الْبَلَاءَ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ دعا بلاء کو دور کرتی ہی اور صدقہ اللہ تعالے
کے غضب کی آگ کو بجھاتا ہی یعنی زندوں اور مردوں سے دین و دنیا میں۔

اور یہ بھی حدیث میں آیا ہی کہ جب عالم و طالب علم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو اُس گاؤں کے مقبرہ میں
چالیس روز تک عذاب اٹھایا جاتا ہی یہاں سے علم اور پڑھنے پڑھانے کی بزرگی معلوم ہوتی ہی اور یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ حافظوں اور مدرسوں کا مقبروں میں مقرر کرانا کتنا بہتر اور کسقدر ثواب کا کام ہی۔

وَاللّٰهُ يُجِيْبُ الدَّعَوَاتِ وَقَاضِي الْحَاجَاتِ اور اللہ تعالے اپنے فضل و
کرم سے دعاؤں کا قبول کرنے والا اور حاجتوں کا روا کرنے والا ہی اگر سچی توجہ اور دل کے حضور اور عاجزی
سے رو کر دعا کیجاوے بیشک قبول ہوتی ہے دنیا یا آخرت میں۔

اور دعا کے قبول ہونیکی شرطیں ہیں اور اسکے موانع بھی ہیں سب شرطوں میں بڑی شرط دل کا
حضور اور حلال کا کھانا ہے اور سب منع کرنے والوں میں بڑا مانع استبطار و استعجال ہی یعنی یوں کہے کہ
بہت دعا کی میں نے اور قبول نہیں ہوئی اور باوجودیکہ قبولیت کی شرطیں نہ ہوں اور موانع بھی موجود ہوں
جب بھی اللہ تعالے کا فضل و کرم و رحمت باقی ہے حاصل یہ کہ دعا عبادت ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ
دعا عبادت کا مغز ہے۔ اور جیسے اور عبادتیں اپنے اپنے وقتوں اور سببوں خاص میں واجب ہوتی ہیں
اسی طرح بلاء اور مصیبت کے وقت دعا بھی لازم ہوتی ہی اللہ تعالے نے فرمایا اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ
یعنی دعا مانگو میں قبول کرونگا۔

کر دعا ہر وقت تا ہووے قبول ✤ گر نہ ہو تو بھی نہ ہو دلمیں ملول ✤ حق میں تیری جو بہتری ہووے دعا ✤ فضل سے اپنے نہیں سنتا خدا ✤
مثلاً ایک کسان بادشاہ کی درگاہ میں حاضر ہو کر ایک گھوڑا عربی مانگے اور بادشاہ اسکے بدلہ میں ایک جوڑی
بیلوں کی عطا کرے تو ظاہر میں بادشاہ نے اسکی درخواست قبول نہیں کی اور جیسا گھوڑا وہ چاہتا تھا اسکو نہیں
دیا لیکن باطن میں اسکی درخواست نہایت اچھے طور سے قبول کی کہ اسکو وہ چیز دی جو اسکے حق میں گھوڑے
سے زیادہ مفید تھی بیلوں سے اسکی کھیتی کو جو نفع پہنچے گا وہ گھوڑے سے کب پہنچتا بلکہ اسکی خدمت اس کی
جان کا وبال ہو جاتی اور اسپر سے گر کر اسکی گردن ٹوٹتی۔ پس دنیا کی فضول چیزوں کی درخواست کا قبول
نہ کرنا یا اُسمیں توقف کرنا کہ نفس کی لذتوں میں مصروف رہکر خدا تعالے سے دور نہ پڑے اور آخرت کے

Marfat.com

عذاب میں مبتلا نہ ہو اسی قسم سے ہے اور جسکو اللہ تعالےٰ سمجھ دے اور اسکو اللہ تعالےٰ پر حسن ظن حاصل ہو۔ اسکے حق میں دینا اور نہ دینا دونوں برابر ہو جاتے ہیں اسی لئے کہا ہی اَلْعَطَاءُ مِنَ الْخَلْقِ حِرْمَانٌ وَّالْمَنْعُ مِنَ اللّٰہِ اِحْسَانٌ یعنی خلقت کے دینے میں گویا محرومی ہے اور خدا تعالےٰ کے دعا نہ قبول کرنے میں بھی احسان ہے (کہ مصلحت سے خالی نہیں) کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا وَمَا دُعَاءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ یعنی نہیں دعا کافروں کی مگر گمراہی۔ مگر دنیا کے کاموں میں قبول ہوتی ہی اور مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے خواہ کافر ہو واللہ اعلم۔

وَیَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہی نماز میں جماعت نہ چھوڑنی چاہیئے۔ امام متقی و پرہیزگار کے بہم پہنچنے کا پابند نہیں رہنا چاہیے کہ جماعت سنت موکدہ ہی اور حضرت نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت کے التزام کی نہایت تاکید فرمادی ہے۔ ہاں اگر مرد صالح متقی امامت کے لئے پیدا ہو بہتر ہے نہیں تو ہر مسلمان کے پیچھے روا ہے یہانتک کہ فاسق کے پیچھے بھی پڑھے بشرطیکہ اسکا فسق کفر تک نہ پہنچا ہو پر جماعت ترک نہ کرے لیکن یہ ضرور ہے کہ امام کو نماز کے ارکان اور احکام کا علم ہو اور اسقدر قرآن اُسے یاد ہو کہ جس سے نماز جائز ہو سکے۔

وَنَرٰی الْمَسْحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ اور ہمارے نزدیک یعنی اہل سنت وجماعت کے نزدیک خفین پر مسح کرنا درست ہے یہ علامت سنی ہونیکی ہے۔ بحالت قیام ایک رات ایک دن تک اور سفر میں تین رات تین دن تک خفین پر مسح کرتا رہے۔ کہتے ہیں علامت اہل سنت کی تین ہیں تَفْضِیْلُ الشَّیْخَیْنِ وَمُحَبَّۃُ الْخَتَنَیْنِ وَالْمَسْحُ عَلَی الْخُفَّیْنِ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو سب سے بہتر جاننا عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنی اور موزوں پر مسح کرنا اہل بدعت یعنی روافض اسکے قائل نہیں ہیں۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو دیکھا کہ سب موزوں پر مسح کرنے کو درست جانتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے موزوں پر مسح کرنے کا حکم پوچھا فرمایا مسافر کو تین رات دن اور مقیم کو ایک رات دن درست ہی ایسا ہی سنا ہے میں نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور دوسری جگہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہی کہ اگر اس شریعت میں عقل کے قیاس پر حکم ہوتا تو موزون کے تلے پر مسح کرنا بہتر ہوتا لیکن شرع کے حکم پر رہے اور شرع میں مسح موزوں کے اوپر کرنا آیا ہے۔

Marfat.com

اور جاننا چاہیے اگرچہ پاؤں دھونا عزیمت یعنی بہتر ہے اور موزہ پر مسح کرنے کی اجازت ہے لیکن اسکے جواز کا اعتقاد رکھنا چاہئے اور جو تہمت کے مقام پر رخصت کو اختیار کریں مصلحت سے زیادہ قریب ہے۔

وَاسْتِحْلَالُ الْمَعْصِيَةِ صَغِيْرَةً كَانَتْ اَوْ كَبِيْرَةً وَاسْتِخْفَافُهَا كُفْرٌ

گناہ کو حلال جاننا اور ہلکا سمجھنا چھوٹا ہو یا بڑا کفر ہے اگرچہ شہوت کے غلبہ اور بشریت کے حکم سے اسکو کرے اور اسمیں مبتلا ہو جاوے پر چاہیئے کہ اسکو گناہ جانتا رہے اور اپنے قصور کا اقرار کرتا رہے۔ صغیرہ کا ہلکا جاننا یہ ہے کہ اسکو بے حقیقت سمجھے اور سبب عذاب کا نہ جانے ورنہ ظاہر ہے کہ صغیرہ کبیرہ سے ہلکا ہے اور اسکا کرنے والا کبیرہ گناہ کے کرنے والے سے عذاب میں کم ہے۔

وَالْاِسْتِهْزَاءُ عَلَى الشَّرِيْعَةِ وَالْاِسْتِهَانَةُ بِهَا كُفْرٌ شریعت کی ہنسی اور اہانت کرنی کفر ہے اس لیئے کہ جھٹلانے اور انکار کرنے کا نشان ہے۔

وَالْهَزْلُ بِالْكُفْرِ كُفْرٌ بولنا کلمہ کفر کا بطریق ہزل کے بھی کفر ہے اگرچہ اسکے معنی دلمیں مراد نہ ہوں اور اُن پر اعتقاد نہ ہوں اسلیئے کہ ہزل استخفاف کا سبب ہے اور جبکہ گناہ کا استخفاف کفر ہے تو کفر کا استخفاف بدرجہ اولی کفر ہے خواہ نہ جانتا ہو کہ یہ کلمہ کفر کا ہے۔ کیونکہ جہل اسباب عذر میں سے نہیں اور بعض علماء کے نزدیک اگر اسکا کفر کا کلمہ ہونا نہ جانتا ہو تو معذور ہے اور بھولے سے یا خطاسے بولا یا بے اختیار زبان سے نکل گیا تو کفر نہیں ہے اجماعاً۔

وَلَا يُحْكَمُ بِكُفْرِ السَّكْرَانِ جو نشے میں مست ہو عقل زائل ہو گئی ہو بے اختیار مُنہہ سے بکتا ہو اسکی زبان پر کلمہ کفر آوے تو اسکا اعتبار نہیں اسکو کافر کہنا نہیں چاہیئے ہاں دوسرے تصرفات اسکے جیسے طلاق دینا غلام کو آزاد کرنا خریدنا فروخت کرنا کسی چیز کا اقرار کرنا جائز قرار دیئے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ کفر ایک امر مذموم اور بُرا ہے اپنی ذات میں جہانتک ہو سکے اسکا دفع کرنا ضرور ہے اس لئے زوال عقل اسکا عذر اور رکاؤ ہو سکتا ہے بخلاف اسلام کے کہ وہ مطلوب و مرغوب ہے جس طرح سے ہو سکے اسکا اثبات واجب ہے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نشے والے کا کفر بھی کفر ہے۔

وَتَصْدِيْقُ الْكَاهِنِ بِمَا يُخْبِرُ بِهٖ عَنِ الْغَيْبِ كُفْرٌ اور کاہن کہ غیب کے جاننے کا دعوی کرتا ہے اسکو سچا جاننا کفر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی کاہن کے پاس جاوے

Marfat.com

اور اُسکے کلام کو سچّا کہے بیشک وہ کافر ہو جاتا ہے اُس دین سے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں
عرب میں بہت کاہن تھے علم غیب کا دعوی کیا کرتے تھے جن اور شیاطین انکو خبریں پہنچاتے تھے۔
نجومی بھی کاہن کے حکم میں ہے جو کوئی نجومی کی تصدیق کرے اور اُسکی باتوں کو سچا جانے کافر ہے۔ حاصل یہ کہ کواکب
کی تاثیر اور آسمان کی گردش کا گرمی و سردی اور مینہ برسنے کی زیادتی و کمی اور میوں وپھلوں کے پکنے
اور انکی مانند اور کاموں میں دخل ظاہری اسمیں کلام نہیں مگر سعادت و نحوست اور انکی مانند اور چیزوں
میں کچھ دخل نہیں ہے اور جو ہو بھی تو ہماری شریعت میں اسپر یقین کرنا منع ہی بالفرض اگر پہلی شریعتوں
میں درست تھا تو بھی اس شریعت روشن میں منسوخ ہوگیا منع کرنیکو اسیقدر کافی ہے۔

وَالْيَأْسُ مِنَ اللهِ كُفْرٌ اور اللہ تعالے کی رحمت سے نا امید ہونا کفر ہے وَلَا يَيْأَسُ
مِن رَّوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ نہیں نا امید ہوتے اللہ تعالے کی رحمت سے سوائے
قوم کافرین کے۔ مسلمان اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو اسکو اللہ تعالے کی رحمت سے نا امید ہونا نہیں چاہیئے
یہ امید رکھے کہ توبہ کرنے سے خدا تعالے گناہ بخشدیگا اور چاہے تو بے توبہ بھی اپنے فضل و کرم سے بخشدے۔
وَالْأَمْنُ مِنَ اللهِ كُفْرٌ اور اللہ تعالے کے عذاب سے بے خوف ہونا بھی کفر ہے
فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ تعالے
کے مکروں سے مگر ٹوٹا پائے والے یعنی کافر۔ مکر کے معنی لغت میں ڈہانکنے یا فریب دینے کے ہیں بندہ
کے ساتھ خدا تعالے کا مکر یہ ہے کہ بندہ کو گناہ میں چھوڑ دیتا ہے اور ناز و نعمت کے دروازے اسپر
کھول دیتا ہے تاکہ وہ مغرور اور غافل ہو جاوے۔ پھر دفعتًہ اسکو اس طرح پکڑتا ہے کہ اُس کو گمان
بھی نہیں ہوتا۔

وَالْإِيمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ اور ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔
کہتے ہیں امید ایسی چاہیئے کہ اگر سنے فقط ایک آدمی بہشت میں جاوے گا تو امید رکھے کہ وہ شخص میں ہوں
اور جو سنے کہ بجز ایک آدمی کے کوئی دوزخ میں نہیں جاویگا تو ڈرے کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں قطعہ
آنہا کہ خواص درگہ تکریم اند + دہشت زدگان عالم تسلیم اند + نومید مشو کہ رحمت حق عام است +
مغرور مشو کہ خاصگان دو بیم اند +
کہتے ہین کہ اگر حیات کی حالت مین خوف غالب رہے اور موت کے وقت رجا پیش آوے یہ نشانی

سعادت وانسیت کی ہے اور جملہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ میں رجا سے اسی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے
کہ آخر وقت میں رجا غالب ہو یا یہ اشارہ ہے کہ خوف رجا پر غالب ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ
شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جان لو کہ بیشک اللہ تعالےٰ سخت عذاب کرنے والا
ہے اور تحقیق اللہ تعالےٰ بخشنے والا ہے مہربان۔ الحمد للہ کہ یہ رسالہ رجا اور مغفرت اور رحمت پر ختم ہوا

تمّت

۲۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۱ھ

ضمیمہ

اس کتاب لاجواب تکمیل الایمان کے ترجمہ پورا ہو جانے کے بعد راقم الحروف مترجم مشتاق احمد
حنفی انبہٹوی نے یہ ارادہ کیا کہ اہل اسلام کو اسی سلسلہ عقائد اسلامیہ کے بیان میں یہ بھی تبلا دینا مناسب
ہے کہ جس طرح روافض و خوارج و معتزلہ مرجئہ وغیرہم فرق باطلہ اس اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں
پیدا ہوئے ہیں اور اپنے مزعومات باطلہ سے ناواقفوں کو راہ حق پر چلنے سے بہکاتے رہے ہیں جیسے
انکے عقائد فاسدہ کا علماء حقانی نے رد کیا اور اہل اسلام کو انکے خیالات باطلہ کی پیروی سے بچایا ہے
اسی طرح آجکل اس چودھویں صدی میں دو فرقہ ضالہ اور مُضلہ ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ ان سے بھی ناواقف
مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچا ہے لہذا کچھ ذکر انکے عقائد فاسدہ کا کر دینا اور انکو خلاف حق تبلا دینا لازم
ہے تاکہ آئندہ نسلیں انکے ضرر سے محفوظ رہیں منجملہ انکے ایک فرقہ قادیانیہ مرزائیہ ہے جسکا بانی
ایک شخص مرزا غلام احمد موضع قادیان میں پیدا ہوا اور اس نے یہ دعوی کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے
انکے دوبارہ آسمان پر سے زمین پر آنے کی کوئی حدیث اول تو صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو اسمیں عیسے
سے عیسیٰ بن مریم مراد نہیں بلکہ مثیل عیسے مراد ہے اور وہ مثیل میں ہوں دنیا میں بھیجا گیا ہوں میرے ہی
جنکا انتظار تھا میں مسیح موعود ہوں اور اسی طرح مہدی مسعود بھی میں ہی ہوں۔ اسی دعوی کے سلسلہ
میں ایک شخص نے عیسے علیہ السلام کی توہین ازالہ اوہام میں متعدد مقامات پر کی ہے اور انکے مشہور معجزات
ابراء اکمہ و ابرص اور احیاء موتی کے اصلی اور حقیقی معنی سے انکار کیا ہے اور انکو یوسف نجار کا بیٹا بتلایا ہے

اور حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ معراج شریف جسمانی سے بھی انکار کیا ہے۔ اس شخص کی ابلہ فریب تحریرات سے پنجاب کے بعض اشخاص بہک گئے مگر بعض کے شامل تائید الٰہی ہوئی انہوں نے مرزا مذکور کے معتقد ہونیکے بعد توبہ کی اور مرزا کے مذہب کے رد میں کتابیں لکھیں منجملہ انکے شیخ الٰہی بخش اکونٹنٹ مرحوم تھے چنانچہ انہوں نے **عصاء موسیٰ** کے نام ایک کتاب لکھی یہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے یعنی جسطرح موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جادوگروں کے کرتب باطل کر دیئے تھے اسی طرح اس کتاب **عصاء موسیٰ** نے مزعومات مرزائیہ کا بیخ و بن سے استیصال کر دیا ہے اور اسکا کاذب ہونا ثابت کر دکھایا ہے یہ کتاب مطبع انصاری دہلی میں چھپی ہے۔ نیز جس کسی شخص کو مرزا غلام احمد کے مذہب باطل کا پورا حال معلوم کرنا ہو وہ کتاب (کلمہ فضل رحمانی بجواب اوہام غلام قادیانی) مصنفہ حضرت مولانا قاضی فضل احمد صاحب کورٹ انسپکٹر پنشنر مطبع اخبار وفادار لاہور سے منگوا کر دیکھیئے۔ قاضی صاحب نے بحوالہ صفحات مرزا کے خیالات نقل کر کے انکی تردید کی ہے۔ اسی طرح **افادۃ الافہام** میں حضرت شیخ الاسلام وقت مولانا محمد انوار اللہ شاہ صاحب نے عقائد مرزائیہ کا بہتر سے بہتر رد لکھا ہے یہ کتاب حیدر آباد مطبع اشاعۃ العلوم سے ملسکتی ہے۔

اس عاجز نے بھی متعدد رسائل مذہب قادیانی کے رد میں لکھے ہیں جن کے نام یہ ہیں (عقیدہ اہل اسلام نسبت نزول عیسےٰ علیہ السلام) (معراج جسمانی رد مرزا قادیانی) (القول الفصیح فی تحقیق نزول المسیح) (راسے منصفانہ نسبت مناظرہ لودیانہ) مگر اب یہ رسائل چھپکر شائع ہونے کے بعد نایاب ہو گئے معراج جسمانی حیدر آباد میں مکرر چھپنے کو بھیجا گیا ہے۔

دوسرا فرقہ ضالہ (قرآنیہ) ہے مولوی عبداللہ چکڑالوی اس فرقہ کے بانی ہیں انکا اصول یہ ہے کہ احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتبار نہیں کیونکہ قرآن میں ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یعنی حکم اللہ ہی کا ہے اگر رسول کا حکم مانا جاویگا تو شرک فی الحکم لازم آویگا۔ جواب اسکا یہ ہے کہ رسول کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے کیونکہ خود قرآن شریف نے فیصلہ کر دیا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ ہی کی فرمانبرداری کی یہ شبہ بے اصل اور دھوکہ ہے۔

اس فرقہ قرآنیہ کی نسبت تو حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطریق معجزہ اشارۃً

Marfat.com

بتلادیا تھا کہ میرے بعد پیدا ہوگا۔ چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی وابن ماجہ میں ابی رافع سے مروی ہے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اُمِرْتُ بِہٖ اَوْ نُہِیْتُ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ نہ پاؤں میں تم میں سے کسی کو کہ اپنے مسند پر بیٹھکر (ایسا مغرور ہو جاوے) کہ جب میرا حکم اسکے پاس آوے جو حکم میں نے دیا یا جس سے منع کیا ہے وہ یہ کہے ہمیں کچھ خبر نہیں یعنی اسکو ہم نہیں مانتے جو کچھ قرآن شریف میں ہے ہم نے اسکی پیروی کی ہے۔ دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ خبردار ہو جاؤ مجھے قرآن عطا ہوا ہے اور قرآن کی مثل یعنی حدیث بھی اسکے ہمراہ ہے۔

کبھی یہ کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں جہاں کلمہ رسول آیا ہے اس سے مراد خود قرآن شریف ہے حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔

اِسکا جواب یہ ہے کہ اسکا فیصلہ بھی قرآن شریف نے کر دیا ہے چنانچہ سورہ فتح میں ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ شبہ اور خیال بھی انکا روی اور نہایت لغو ہے۔ اعاذنا اللہ من ھوالاء الفرق الضالۃ الکاذبۃ بحرمۃ نبی الرحمۃ علیہ وعلی الہ وصحبہ الف الف صلوٰاتٍ وتحیۃ۔

تمت

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

احقر انام محمد عبدالاحد ابن مولانا غلام محمد جملہ اہل اسلام کی خدمت میں عموماً اور شائقین علم کلام و عقائد کی خدمت میں خصوصاً عرض رسا ہی کہ یوں تو اس فن کی کتابیں بہت سی ہیں منجملہ اُنکے تصانیف امام الکلام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کافی ووافی ہیں جیساکہ نور العقائد۔ کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ہے جس میں متکلمین کے علم کا خلاصہ ہی اور اُن کی رسمی کتابوں سے تحقیق میں بہت بڑھی ہوئی ہی اور معرفت کے دروازے کھٹکھٹانے کی طرف زیادہ قریب ہی اور اسکے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں جو خاص علماء کے دیکھنے اور سمجھنے کی ہیں۔ جن میں ہر قسم کے مباحث و دلائل موجود ہیں مگر ایسی عام فہم کتاب جو تمام مضامین کو حاوی اور اکثر مسائل کی جامع ہو تکمیل الایمان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ سے بڑھکر کسی کو نہ دیکھا یہ کتاب اس فن میں واقعی لاجواب ہی۔ شیخ رحمہ نے آسانی کے ساتھ وہ وہ باتیں لکھی ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ عقائد دین اسلام کو موافق طریقہ اہلسنت والجماعۃ نہایت شستہ تقریر سے اس خوبی سے ادا کیا ہے جس سے خود بخود دلوں میں اثر اور نور یقین پیدا ہوتا چلا جائے (جس کی طرف دیباچہ میں شیخ رحمہ نے اشارہ بھی کیا ہے۔

چونکہ یہ کتاب فارسی زبان میں تھی اور ہمارے ملکی بھائی اس سے اچھی طرح فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے اسلئے احقر نے جامع علوم ربانیہ واقف اسرار قرآنیہ فاضل اجل عالم اکمل مولانا مولوی محمد مشتاق احمد صاحب حنفی چشتی انبہٹوی دامت برکاتہم وافاضالہم وافادتہم کو اس کتاب کے ترجمہ کے لیے تکلیف دی اور حضرت مولانا سلمہ نے بطیب خاطر عامۂ مسلمین کے نفع کے لئے ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی اور چند روز میں اسکی تکمیل فرمادی جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔ ایک قلمی صحیح نسخہ آپ کے پاس تھا اُس سے متن کی بھی تصحیح فرمائی اور ترجمہ ایسی خوبی سے کیا جس سے عام حاجتیں رفع ہوگئیں اور تمام مضامین و مقاصد بے تکلف اچھی طرح سمجھ میں آنے لگے ترجمہ کی پاکیزگی۔ زبان کی سلاست کتاب کے دیکھنے پر موقوف ہے۔

جب حضرت مولانا سلمہ ترجمہ سے فارغ ہوئے تو احقر اسکے چھاپنے کے لیے مستعد ہوا اور تھوڑے دنوں میں حق تعالےٰ کی امداد سے یہ کتاب چھپ کر تیار ہوگئی۔ ذات باری تعالےٰ شانہ سے امید ہے کہ اسے میرے لیے ذخیرۂ عقبےٰ کرے اور عامۃ المومنین کو اسکے مطالعہ سے نفع بخشے۔ آمین ثم آمین۔

(جملہ حقوق بحق مطبع محفوظ)

Marfat.com